عظیم علمی شخصیت

3

شیخ الاسلام فقیہ العصر

مُفتی محمد تقی عُثمانی صاحب مدظلہم

جملہ تصانیف، اور خود نوشت سوانح سے عالمی علمی و اصلاحی خدمات
تجدیدی کارنامے اور اہم پہلوؤں پر ایک جامع تذکرہ
جس کے مطالعہ سے ایسی گوہر نایاب شخصیت کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔

مرتّب : قاری محمد اسحاق

زیارتِ مزارات

ہمارے اکابر علماءِ دیوبند سے معمول چلا آرہا ہے جن میں

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

بھی شامل ہیں

از افادات

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

علماء دیوبند کے علوم کا پاسبان

دینی وعلمی کتابوں کا عظیم مرکز ٹیلیگرام چینل

حنفی کتب خانہ محمد معاذ خان

درس نظامی کیلئے ایک مفید ترین

ٹیلیگرام چینل

جمع وترتیب

محمد اسحاق ملتانی

مکتبۃ الحرمین دیوبند

Maktaba Al-Hermain

8979354752, 7300692988

تفصیلات

نام کتاب : عظیم عالمی شخصیت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

جمع وترتیب : قاری محمد اسحاق ملتانوی (یکے از خدام حضرت شیخ الاسلام مدظلہم)

تعداد اشاعت : گیارہ سو (۱۱۰۰)

سن طباعت : ۱۴۴۴ھ بہ مطابق ۲۰۲۳

باہتمام : عبدالرازق اعظمی

ناشر : مکتبۃ الحرمین دیوبند

موبائل نمبر : 8979354752 / 7300692988

طباعت : بسم اللہ پرنٹنگ پریس دیوبند 9359349642

مکتبۃ الحرمین دیوبند

8979354752 / 7300692988

زیارتِ مزارات

ہمارے اکابر علماءِ دیوبند سے یہ طریقہ کار چلا آرہا ہے کہ جہاں کہیں گئے وہاں کے اولیاء اور اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری کا اہتمام کیا اور اُن کے وسیلے سے دُعائیں بھی مانگیں۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے تقریباً دُنیا کے اکثر حصوں کے اَسفار کیے ہیں اور آپ نے تو بحوالہ اُن بزرگوں کا بائیوڈیٹا (ولادت، وفات، حالات وکمالات) کا ذکر کیا ہے۔ یہ مستند و عجیب تاریخی دستاویز لوگوں کیلئے شوقِ زیارتِ مزارات کی تڑپ پیدا کرتی ہے۔

اپنے اکابر علمائے دیوبند کی پوری پوری ترجمانی کرتے ہوئے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ بھی اولیاء کے زیارت مزارات کے نا صرف قائل اور ان کے وسیلے سے دعائیں مانگنے والے ہیں بلکہ اس سے بڑھ ان کے ولادت، وفات، حالات و کمالات کو اس قدر پراثر انداز میں لکھتے ہیں کہ بے اختیار قلم اس شعر کیلئے چل پڑتا ہے۔

ہاں دکھادے اے تصور پھر وہ صبح وشام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

یا پھر یوں کہیے ۔

کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل کوئی کیا کسی سے لگائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

بہر حال اب بھی ہمیں چاہیے کہ موجودہ نعمتِ عظمیٰ (شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ) کی شخصیت کی صحیح معنوں میں قدر کرلیں جن کی سحر انگیز شخصیت گویا ہمیں زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے ۔

جان کرمن جملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

عرضِ مرتب وناشر

معزز قارئین کرام!

ہم لوگ چونکہ اِس ناپائیدار جہان میں رہتے ہیں...اور اس میں رہتے ہوئے ہمیں اُس پائیدار جہانِ آخرت کی تیاری کا حکم ہے...تو حدود کا خیال رکھتے ہوئے...ہمیں اِن تمام ذرائع کو اپنانا چاہیے...جو کہ ہمیں آخرت کی یاد میں مددگار ہوں...کیونکہ جیسے حدود سے بڑھنا...دینِ اِسلام میں منع ہے...

ایسے ہی حُدود کو کم سے کم کر دینا یا بلاوجہ اس میں تنگی پیدا کرنا بھی تو ٹھیک نہیں۔

چنانچہ ہمارے معاشرے میں بعض لوگ جیسے مزارات پر جاتے...

اور اس سے بڑھ کر ان مزارات پر غیر شرعی کام کرنے کو بھی...ان بزرگوں کی تعظیم کا حق اور مسائل کا حل سمجھتے ہیں...تو بعض سنجیدہ مزاج لوگ زیارتِ مزاراتِ اولیاء کا بالکل انکار کرتے ہیں...دونوں ہی کو اپنی سمت دُرست کرنی چاہیے...

کہ دراصل ہمارا مقصد تو قبرستان کی قبور ہوں...یا قبورِ اَکابر بھی سے

اپنی موت کو یاد کرنا ہے...سو جواز کی حد تک زیارتِ مزارات

ہمارے اَکابر کا معمول چلا آرہا ہے...

حکیمُ الاُمّت رحمہ اللہ کی بُو علیؒ شاہ قلندر رحمہ اللہ کے مزار پر نہ صِرف حاضری بلکہ پُراثر وعظ بھی

حکیمُ الاُمّتؒ رحمہ اللہ تو حضرت بُوعلی شاہ قلندر رحمہ اللہ (پانی پت)

کے مزار پر نہ صرف حاضر ہوئے...

بلکہ وہاں بڑے پُرسوز وعظ (1918ء میں 2 گھنٹے 40 منٹ کا خصوصی وعظ فرمایا کہ جو تصوف کا خلاصہ ہے) میں بھی عجیب و غریب کیفیات طاری تھیں...

جنکی رُوداد حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ (خلیفہ خاص حکیم الامتؒ) نے بڑے دلکش انداز میں اس کا پورا پورا نقشہ کھینچتے ہوئے، بیان فرمائی ہے۔

اس وعظ کا احباب کو بے حد اِشتیاق اور اِصرار تھا... الحمد للہ کہ وہ پورا ہوا...

یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ وعظ صرف اپنی حقیقت کے ہی لحاظ سے قلندرانہ شان نہیں رکھتا... بلکہ جس ہیئت سے بیان کیا گیا... جس کیفیت سے سنایا گیا... اور جس صورت سے صاف ہوا... وہ قلندرانہ تھی۔

چنانچہ صاف ہونے کی تو یہ صورت ہوئی... کہ ۱۴ برس میں طویل وقفات کے بعد اس کی تکمیل ہوئی... اور بیان کے وقت حضرت واعظ کی یہ ہیئت تھی...

کہ ایک موٹا دیہاتی لٹھ... سَر سے اونچا ہاتھ میں (کیونکہ عین وقت پر کوئی ہلکا عصا مل نہ سکا) کمر بند... گھٹنوں سے نیچے لٹکا ہوا... عمامہ (پگڑی) کے پیچ اِدھر اُدھر ڈھلے ہوئے... اَچکن کے بٹن اور بَند کھلے ہوئے...

لیکن دیکھنے والے دیکھ رہے تھے... کہ اس وَارفتہ حالی میں بھی... حضرت پر

ایک عجب شانِ دلربائی برس رہی تھی...اور ہزار حُسن اُس ادا پر قربان ہو رہے تھے

بس اس شعر کا پورا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے تھا ۔

قبا وا کردہ و کاکل پریشاں کردہ می آید
بہیں ایں بے سرو ساماں چہ ساماں کردہ می آید

سامعین کی یہ کیفیت تھی کہ گویا کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہو رہا تھا ۔

قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید

دلچسپی کا یہ عالم تھا...کہ حسبِ قریب اختتام حضرت نے یہ فرمایا...

کہ میں اب صرف 5 منٹ اور بیان کرونگا تو بزبانِ حال یہ کہہ رہے تھے۔

(بقول احقر) ۔

دلربا پہلو سے اُٹھ کر اب جدا ہونے کو ہے
کیا غضب ہے کیا قیامت ہے یہ کیا ہونے کو ہے
آج تو جی بھر کے پی لینے دے اے ساقی مجھے
جان ہی جاتی رہے گی اور کیا ہونے کو ہے

اور بوقتِ رُخصت یہ ۔

کرتے جاؤ آرزو پوری کسی مشتاق کی
ایک ذرا ٹھہرو کوئی تم پر فدا ہونے کو ہے
شوخ رفتاری کا اپنی دیکھ لو مُڑ کر اثر!
ساتھ ساتھ اُٹھ کر رواں ہر نقشِ پا ہونے کو ہے

صوفیوں پر تو وجد کی کیفیت طاری تھی...اللہ تعالیٰ حضرت واعظ کو مدت مدید تک بعافیت تمام سلامت باکرامت رکھے...اور ممدوح کے فیوض و برکات کو تا قیامت جاری رکھے...ورحمهم الله عبدًا قال امينا.

حکیم الاُمت رحمہ اللہ کی حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری

اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ
کے مزار پر بھی (جو کہ لاہور میں مینارِ پاکستان کے قریب واقع ہے)
حاضر ہوئے اور اس وقت بھی حضرت نے خاص کیفیات بیان فرمائیں۔

حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ کی نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری

دہلی میں تبلیغی مرکز ''نظام الدین'' کے قریب حضرت نظام الدین اولیاء کا مزار ہے اس مزار پر بھی بزرگوں سے سنا ہے... کہ تبلیغی جماعت کے بانی بزرگ حضرت مولانا الیاس اور مولانا یوسف رحمہما اللہ و دیگر اکابرِ تبلیغ باقاعدہ رات کے تقریباً 2 یا 3 بجے حاضر ہوتے... اور کافی دیر وہاں تلاوت فرماتے... دن میں نہ آنے کی وجہ وہاں عوام کی ایک بڑی تعداد کا بدعات (غیر شرعی اُمور) میں مبتلا ہونا تھا۔

ایسے ہی مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور دیگر اکابر بھی جب ملتان تشریف لاتے تو حضرت بہاء الدین زکریا رحمہ اللہ کے مزار پر تشریف لیجاتے۔ البتہ صرف قبر کے سامنے کھڑے ہو کر بغیر ہاتھ اُٹھائے ایصالِ ثواب کرتے اور ان کے وسیلے سے دُعائیں کرتے اور چلے جاتے۔ (بس صرف اتنا ہی شرعاً ثابت ہے)

موجودہ دَور کے شیخ الاسلام اور عالمِ اسلام کی ممتاز شخصیت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کا بھی یہ معمول ہے... کہ جب کسی ایسی جگہ پر سفر کرتے جہاں بزرگوں میں سے کوئی مدفون ہوں... تو ان کے نہ صرف مزارِ مُبارک کی زیارت کرتے... بلکہ اس مزار کی

پوری روئیداد بحوالہ نقل کرنے کا بھی اہتمام فرماتے ہیں۔ جیسے کہ ''جہان دیدہ'' اور ''سفر در سفر'' میں نقل فرمائیں... ان کُتب سے اِستفادہ کرتے ہوئے علیحدہ سے اس موضوع پر اس لیے قلم اُٹھایا تا کہ ناواقف لوگوں کی زیارتِ مزارات کے حوالے سے غلط فہمی بھی دور ہو... اور جو جانتے ہیں... ان کی یاد پھر سے تازہ کردی جائے۔

اسی طرح کچھ عرصہ قبل شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کے تفصیلی حالات پر ''عظیم عالمی شخصیت'' کے نام سے 2 جلدیں پہلے ہی چھپ چکی ہیں... بحمداللہ یہ تیسری جلد ہو جائے گی۔

زیرِ نظر کتاب ''زیارتِ مزارات'' میں جن بزرگانِ دین کے مزارات کا تذکرہ ہے... ان میں سے کچھ (حضرت بلال... زید بن حارثہ... جعفر طیار... عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم... حضرت سلطان نورالدین زنگی... سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہما اللہ) کی ضروری تفصیل مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ کی کتاب ''انبیاء کی سرزمین میں'' سے بھی لی گئی ہے... البتہ جہاں بھی اس کتاب سے کچھ نقل کیا گیا ہے... وہاں ان کا پورا حوالہ بھی درج کردیا گیا ہے۔ اللہ کے محض فضل وکرم سے (ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان) خطبات حکیم الامت کے نام سے 32 جلدیں شائع کر چکا ہے... جس میں 350 خطبات ہیں... جلد نمبر 11 میں یہ وعظ ''طریق القلندر کطریق السمندر'' کے نام سے موجود ہے... جبکہ جلد نمبر 32 میں صرف 31 جلدوں میں ذکر کردہ تمام مضامین کی فہرست درج ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اَکابر کی قبور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے... اور انکے اِخلاص کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمادے تو ہمارا کام بن جائے... اور ہماری اس کاوش کو محض اپنے فضل سے قبول فرمائے آمین

وعظ

''طَرِیْقُ الْقَلَنْدَرْ''
کی مجھ پر حیرت انگیز برکات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ سن 1973ء کا سال تھا... جبکہ بندہ ابھی فقط 17 سال کا تھا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں عموماً بڑے بڑے سمجھدار اور ہوشیار لوگ سیدھے راستے سے پھر جاتے ہیں... ایسے میں بحمد اللہ میرا تعلق حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفۂ خاص حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ (لواں شہر ملتان) سے ہوا

اور حضرت سے تعلق ہونا تھا... کہ یوں لگا... جیسے زندگی کو ایک صحیح رُخ مل گیا
بھٹکے کو ساحل کا کنارہ مل گیا... اور آوارہ دل کو مالکِ حقیقی کا پتہ مل گیا
بقول شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ ؎

ابھی شرحِ اُلفت کی منزل کہاں ہے ابھی تو تقی ابتداؤں میں گم ہوں

کہ ابھی تو یہ ابتدا تھی۔ بہرحال! اسی دوران کہ میں
حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں جایا کرتا کہ وہاں
ایک مرتبہ میرے شیخ حاجی صاحب رحمہ اللہ نے وعظ ''طریق القلندر'' دیا۔
اور ارشاد فرمایا کہ اس کو پڑھو اور یہ بھی فرمایا کہ یہ وعظ نایاب ہے...
لہٰذا تم اس کا خیال کرنا اور حال یہ تھا کہ وہ نسخہ بھی بوسیدہ حالت میں تھا
تو میں نے نہایت ادب سے عرض کیا کہ اگر یہ ایسا نایاب اور کمیاب نسخہ ہے

تو پھر کیوں نہ اس کو چھپوالوں؟... حضرت نے فرمایا...

مجھے اس بارے میں تجربہ نہیں... اہل تجربہ سے معلوم کرلو...

حضرت کا یہ ارشاد اب یاد آتا ہے... تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بڑا سبق ہے... کہ جس چیز کا تجربہ نہ ہو... اہل تجربہ سے تحقیق کرلینی چاہیے۔

اور پھر کیا تھا کہ دن کے اُجالے اور رات کے اندھیرے سے بے خبر اس وعظ کو چھپوانے اور اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں ایسا محو ہوا...

کہ جیسے حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ پر اس وعظ کے وقت میں

حضرت بُوعلی شاہ قلندر رحمہ اللہ کے مزار پر کیفیات تھیں...

اور اسی طرح خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ پر بھی اس کو نقل کرتے وقت کیفیات تھیں... ایسے ہی بندہ پر بھی عجیب وغریب کیفیات طاری تھیں...

جس کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ میں نے جب اس رسالے کے سائز کے بارے میں ایک صاحب تجربہ سے معلوم کیا...

تو انہوں نے کہا 23x36 سائز ہے... اس کے بعد میری یہ حالت تھی کہ میں بس اِس رسالے کی فکر کو ذہن پر قلندرانہ سوار کرتے ہوئے 23x36 دُہراتا رہتا تھا۔

اس کیفیت کو اگر میں ایک جملے میں نقل کرنا چاہوں... تو میں اپنے والد گرامی کا ایک جملہ ہی نقل کروں گا.. وہ میرے دل پر نقش ہے... جو کہ 100 فیصد سچ ہے...

(میرے والد گرامی حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی رحمہ اللہ... 35 سال مدینہ منورہ میں رہے اور کئی نسبتوں کے حامل تھے... جن کو کھلی آنکھوں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوا کرتی تھی... جو کہ صاحب ''گلدستہ تفاسیر'' بھی ہیں اور جنت البقیع میں آسودۂ خاک ہیں۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً)

زبے اختیار فرمایا کہ..... تجھے تو اس وعظ نے ''قلندر'' بنادیا.... سچ کہتے ہیں:

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید (کہ قلندر جو کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے)

چنانچہ پھر اسی وعظ کی برکات سے

اس ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کی بھی بفضلہٖ تعالیٰ بنیاد پڑی۔

اِسی وعظ کی برکات ہیں کہ اس ادارہ نے 350 خطباتِ حکیم الامت 32 جلدوں میں ترتیب وتخریج کے ساتھ... 33 جلدوں میں ملفوظاتِ حکیم الامت اور 34 جلدوں میں مقالاتِ حکیم الامت، جن میں 400 رسائل ہیں۔

کلیدِ مثنوی شرح مثنوی (مولانا روم رحمہ اللہ) بھی بہت ہی نایاب تھی جس میں بندہ نے اِنڈیا کا سفر کر کے میں سہارن پور کے مدارس... دار العلوم دیوبند... مظاہرِ علوم اور دہلی سے تلاش کر کے 24 حصے حاصل کر کے شائع کیے۔

اور تفسیر ''بیان القرآن'' کو پاکستان میں پہلی مرتبہ جدید کمپیوٹرائیڈیشن شائع کرنے کی سعادت حاصل کی۔

آخر میں اس تمام کارِ خیر کو اپنے والدین اور مشائخ کی طرف منسوب کرتا ہوں اور یہ سب انہی کی دُعاؤں اور توجہات کا ثمرہ ہے... ورنہ

کہاں میں کہاں یہ نکہتِ گل نسیم صبا تیری مہربانیاں

یا

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

(ہم نشین کی خوبصورتی نے مجھ پر اثر کر دیا... ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں۔)

اللہ پاک اس کوشش کو بندہ اور میرے والدین اور مشائخ عظام کی نجات کا سبب بنائے آمین۔

فہرست عنوانات

حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کی بوعلی شاہ قلندر پر حاضری اور پُر اثر وعظ	4
حکیم الامت رحمہ اللہ کی حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری	6
مولانا الیاس رحمہ اللہ کی نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری	6
وعظ ''طریق القلندر'' کی مجھ پر حیرت انگیز برکات	8
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے مزار پر	17
اولیائے کرام کے مزارات پر	20
حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کے مزار پر	21
حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	24
حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	26
حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	30
امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	33
حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	38
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مزار پر	42
حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے مزار پر	47
حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کے مزار پر	50

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار پر	51
کربلا کا سفر	51
علامہ عبدالحق اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	53
امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	57
حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	61
شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	64
حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مزار پر	69
حافظ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	71
علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	73
علامہ دردیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	76
حضرت یوشع علیہ السلام کے مزار پر	77
حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار پر	79
وادیٔ شعیب میں	79
ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کے مزار پر	82
حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کے مزار پر	90
حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر	91
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مزار پر	92
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر	98
حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے مزار پر	104
حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر	106

غوطہ میں	108
حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کے مزار پر	109
الباب الصغیر کے قبرستان میں	110
حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے مزار پر	111
آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل	111
شام میں سکونت	112
حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نعتیہ شعر حبشی زبان میں	112
حضرت ابن اُمِ مکتوم رضی اللہ عنہ کے مزار پر	117
اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر	120
حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کے مزار پر	125
حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے مزار پر	127
نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	129
ایک عدیم المثال واقعہ	130
دو پُر اسرار بھورے آدمی!	132
مجرم پکڑے گئے	133
سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے مزار پر	135
اِسلامی غیرت وحمیت	136
حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ کے مزار پر	138
حضرت ابومسلم خولانی رضی اللہ عنہ کے مزار پر	141
حضرت حزقیل علیہ السلام کے مزار پر	145

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے مزار پر.....ہرہ میں	147
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر	150
علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ کے مزار پر	152
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر	156
مقبرہ قاسمی	159
حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کے مزار پر	163
حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی رحمہ اللہ کے مزار پر	166
حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	168
عالم ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی کے مزار پر	174
حافظ ابوالحجاج مزی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	178
علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	180
حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	181
علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	183
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مزار پر	184
حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے مزار پر	186
علامہ علاؤالدین کاسانی رحمہ اللہ کے مزار پر	189
شیخ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر	191
امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے محلے میں	192
امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اور کنویں میں مبسوط کی تالیف	193
سلطان ٹیپو کے شہر میں	202

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ
عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ،
اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰٓى اٰلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ

شیخ عبدُالقادرِ جیلانیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ منصور نے جب یہ شہر بسایا تو اس کا طول بھی دو میل تھا اور عرض بھی، اور یہ دنیا کا پہلا شہر تھا جو دائرے کی شکل میں بسایا گیا۔ اور آج حال یہ ہے کہ اس کا ایک ایک محلہ بھی میلوں میں پھیلا ہوا ہے۔

جدید شہر کے مختلف علاقے یکے بعد دیگرے گزرتے چلے گئے، یہاں تک کہ ایک عالیشان مسجد کی دیوار نظر آئی، برابر میں ایک گلی تھی اور مسجد کا دروازہ گلی میں کھلتا تھا۔ دروازہ قدیم شاہی عمارتوں کی طرح بڑا پُر شکوہ تھا۔

یہ حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہٗ کی مسجد اور ان کا مدرسہ تھا، جس کے ایک حصہ میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ خود بھی آسودہ ہیں۔

یہ مسجد یہاں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے ہی قائم ہے اور اسی کی دیوار قبلہ کے پیچھے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ وہاں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہٗ دراصل ایران کے شمال کے مغربی صوبے گیلان میں پیدا ہوئے جسے دیلم بھی کہا جاتا ہے، لیکن 18 سال کی عمر (تقریباً ۴۸۸ھ) میں بغداد تشریف لائے، اور پھر اسی کو اپنا مستقل مستقر بنالیا۔ اسے کہنے والے تو شاید اتفاق کہیں لیکن یہ یقیناً قدرت کی حکمتِ بالغہ کا نتیجہ تھا کہ یہی وہ سال ہے جس میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد کو خیرباد کہا۔ گویا یہ شہر ایک مصلح سے محروم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں فوراً ہی اسے دوسرا عظیم الشان مصلح عطا فرمادیا۔

یہ محلہ حضرت رحمہ اللہ کا جہاں مزار ہے، قدیم زمانے میں بغداد کی فصیل کے قریب واقع تھا، اور اسے ''باب الأزج'' کہتے تھے۔

حضرت شیخ گیلانی قدس سرہٗ کے استاذ و شیخ حضرت قاضی ابوسعد مخرمی رحمہ اللہ نے یہاں ایک چھوٹا سا مدرسہ بنایا تھا، جو ان کی وفات کے بعد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا گیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مدرسے کو اپنے افادات کا مرکز بنایا۔ اور یہیں درس و تدریس، تصنیف و افتاء، اور وعظ و ارشاد کا سلسلہ جاری فرمایا۔ یہاں تک کہ یہ ایک عظیم الشان مدرسہ بن گیا۔ (المنتظم لابن الجوزی ص ۲۱۹، ج ۱۰)

اس مدرسے کی شکل میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا فیض آج تک جاری ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں یہ مدرسہ مرجع خاص و عام تھا اور کیوں نہ ہوتا؟ یہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ بہ نفسِ نفیس درس دیتے تھے۔ روزانہ ایک سبق تفسیر کا، ایک حدیث کا، ایک فقہ کا اور ایک خلافیات کا بذاتِ خود پڑھایا کرتے تھے۔

صبح اور شام کے اوقات میں تفسیر، حدیث فقہ اور نحو وغیرہ کے اسباق ہوتے تھے، اور ظہر کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود مختلف قراءتوں میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

اس کے علاوہ فتاویٰ کا بھی سلسلہ جاری رہتا تھا۔ آپ عموماً شافعی اور حنبلی مذہب کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ للشعرانی ص ۱۰۹، ج ۱)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا ہے کہ

ایک مرتبہ ایک شخص نے قسم کھالی کہ وہ کوئی ایسی عبادت کرے گا کہ روئے زمین کا کوئی شخص اس وقت وہ عبادت نہ کر رہا ہو، اور اگر یہ قسم پوری نہ کر سکا تو اس کی بیوی کو تین طلاق۔ یہ سوال بغداد کے بہت سے علماء کے پاس گیا۔

عام طور سے علماء یہ سوال سن کر اسی نتیجے پر پہنچے کہ بظاہر اس شخص کے پاس طلاق سے بچنے کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ ایسی عبادت کون سی ہو سکتی ہے جس کے بارے میں یہ یقین ہو جائے کہ روئے زمین کا کوئی شخص وہ عبادت نہیں کر رہا ہے؟

آخر میں سوال حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے برجستہ جواب دیا کہ اس شخص کے لئے حرم مکہ میں مطاف خالی کرادیا جائے، اور وہ اس حالت میں طواف کرے کہ کوئی اور شخص اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بے شمار ارشادات وملفوظات اتباع شریعت وسنت اور بدعات سے اجتناب کی تعلیم وتلقین پر شاہدِ عدل ہیں۔ آپ کے مواعظ سے متاثر ہوکر تقریباً ہر مجلس میں بیسیوں افراد تائب ہوتے تھے۔

امام شعرانی رحمہ اللہ نے حضرت رحمہ اللہ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ ''ایک مرتبہ میرے سامنے ایسا عظیم الشان نور ظاہر ہوا جس سے سارا افق بھر گیا۔ پھر اس میں سے مجھے ایک صورت دکھائی دی اور آواز آئی کہ ''اے عبدالقادر! میں تمہارا رب ہوں، میں نے آج سے تمہارے لئے تمام حرام کام حلال کردیئے ہیں۔''

میں نے فوراً کہا: ''مردود ادور ہو جا۔''

بس یہ کہتے ہی وہ نور اندھیرے سے بدل گیا اور وہ صورت دھواں بن کر ختم ہوگئی۔ پھر آواز آئی کہ ''اے عبدالقادر! تم میری چال سے اپنے علم کی بدولت بچ گئے، ورنہ میں نے اس جیسی چالوں سے ستر اہلِ طریق کو گمراہ کیا ہے''۔

اس کے جواب میں میں نے کہا! کہ ''یہ سب (میرے علم کی بدولت نہیں بلکہ) محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی بدولت ہوا''۔ (الطبقات الکبریٰ للشعرانی ص ۱۰۹، ج ۱)

مشائخ نے فرمایا کہ شیطان کا دوسرا حملہ زیادہ مکارانہ اور زیادہ سنگین تھا، کیونکہ پہلے وار سے بخوبی بچ جانے کے بعد اس نے حضرت رحمہ اللہ کو ان کے علم کا حوالہ دے کر پندارِ علم میں مبتلا کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نازک حملے سے بھی محفوظ رکھا۔

اس قسم کے واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کو طریقت کے ساتھ ساتھ شریعت کا، علومِ باطنہ کے ساتھ ساتھ علومِ ظاہرہ کا کس قدر اہتمام تھا، چنانچہ آپ آخر وقت تک علومِ دینیہ کی تدریس وافتاء وغیرہ میں بذاتِ خود مشغول رہے۔

در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق ہر ہوسنا کے نہ داند جام وسنداں باختن

لیکن دوسرے بہت سے اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات کی طرح شریعت و طریقت کے اس امام عالی مقام کے مزار پر بھی جاہلانہ عقیدت کے مظاہرے بدعات کی شکل میں نظر آئے، جس ذات والا صفات کی ساری زندگی اتباع شریعت کی تعلیم میں صرف ہوئی، اس کے مزار مبارک پر یہ خلافِ شرع اُمور خود ان کے لئے کتنے تکلیف دہ ہوں گے؟ اس احساس سے دل پژمردہ (رنجیدہ) رہا۔

مزار مبارک سے باہر نکل کر قریب ہی وہ مدرسہ آج تک قائم ہے جس کی بنیاد خود حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی تھی۔

اولیائے کرام کے مزارات پر

حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی قدس سرہٗ کے مزار مبارک کے بعد اسی شام کو بغداد کے ایک قدیم قبرستان میں حاضری ہوئی جو "مقبرہ باب الدیر" کے نام سے مشہور تھا۔ یہاں ایک چھوٹے سے احاطے میں حضرت معروف کرخی، حضرت جنید بغدادی اور حضرت سرّی سقطی رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات ساتھ ساتھ واقع ہیں۔ تینوں مزارات پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔

نظم وضبط کی برکات

اسلامی شریعت نے باپ کو اولاد کا امیر... اُستاد کو شاگردوں کا امیر اور شوہر کو بیوی کا امیر بنا کر اپنے تمام پیروؤں کو یہ سبق دیا ہے... کہ وہ اپنی زندگی کو بدنظمی سے گزارنے کے بجائے نظم وضبط اور خوش اسلوبی سے بسر کرنا سیکھیں... اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم مسلمان ان اسلامی احکام کی حقیقی روح کو پہچان کر اپنی زندگیوں کو منظم کرنے کی عادت ڈالیں... تو ہماری بے شمار مشکلات خود بخود ختم ہو سکتی ہیں۔ (جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

حضرت معروف بن فیروز کرخی رحمۃ اللہ علیہ دوسری صدی کے مشہور اولیاء کرام رحمہم اللہ میں سے ہیں، حضرت علی بن موسیٰ الرضا رحمۃ اللہ علیہ کے آزاد کردہ غلام تھے، اور ان کے ملفوظات وافادات صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کے لئے ہمیشہ مشعل راہ رہے ہیں۔

آپ ایک عیسائی خاندان میں پیدا ہوئے تھے، لیکن آپ کے بھائی عیسیٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی زمانے سے ان کو عقیدۂ توحید کے لئے چن لیا تھا۔

میں اور وہ ایک عیسائی استاد کے پاس پڑھا کرتے تھے، استاد ہمیں ''باپ، بیٹا'' کا عقیدہ سکھاتا، لیکن حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ جواب میں ''احد احد'' فرماتے، اس پر استاد انہیں مارتے تھے، ایک مرتبہ استاد نے انہیں اتنا مارا کہ وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور لاپتہ ہوگئے، ان کی والدہ رو رو کر کہتی تھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے معروف کو میرے پاس لوٹایا تو وہ جو دین چاہے گا اسے اختیار کرنے سے نہیں روکوں گی۔

کئی سال بعد آپ واپس آئے تو ماں نے پوچھا بیٹا! تم کس دین پر ہو؟

آپ نے جواب دیا کہ اسلام پر، اس پر والدہ بھی مسلمان ہوگئیں اور ہمارا پورا گھرانہ مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ (صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی رحمہ اللہ ص ۱۸۰ ج ۲)

آپ اُن اولیاء کرام میں سے ہیں جن پر کثرتِ نوافل سے زیادہ ذکر وفکر کا غلبہ تھا۔

ان کے ایک معاصر راوی ابوبکر بن ابی طالب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کی مسجد میں گیا۔ جب انہوں نے اذان شروع

کی تو میں نے دیکھا کہ حضرت معروف کرخی قدس سرہٗ پر اضطراب کی ایک عجیب کیفیت طاری ہوگئی، اور جب مؤذن نے اشھد ان لا الہ الا اللہ کہا تو ان کی ریش مبارک اور ابرو تک کے بال کھڑے ہو گئے اور وہ بے قابو ہو کر اس درجہ جھکنے لگے کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ اذان پوری بھی کر سکیں گے یا نہیں۔ (حلیۃ الاولیا ملا ابی نعیمؒ ج ۸، ص ۳۶۱)

ایک مرتبہ ایک حجام حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کا خط بنا رہا تھا، حضرتؒ اس وقت بھی تسبیح میں مصروف تھے۔ حجام نے کہا کہ "آپ تسبیح پڑھتے رہیں گے تو مونچھیں نہ بن سکیں گی" حضرت نے فرمایا: "تم اپنا کام کر رہے ہو، میں اپنا کام نہ کروں" (ایضاً ص ۳۶۲)

آپ کا معمول تھا کہ جو کوئی دعوت دیتا، سنت کے مطابق اس کی دعوت قبول فرما لیتے۔ ایک مرتبہ ایک ولیمہ میں گئے تو وہاں انواع واقسام کے پُر تکلف کھانے چنے ہوئے تھے۔ وہاں ایک اور صوفی بزرگ موجود تھے۔

انہوں نے یہ پُر تکلف کھانے دیکھے تو حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: "آپ دیکھ رہے ہیں، یہ کیا ہے؟" ان کا مقصد یہ تھا کہ اتنے پُر تکلف کھانے مناسب نہیں، حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "میں نے یہ کھانے بنانے کو نہیں کہا تھا"

پھر جوں جوں مزید کھانے آتے رہے، وہ صاحب اپنی سابقہ شکایت دہراتے رہے۔ آخر میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

انا عبد مدبر آکل ما یطعمنی، و أنزل حیث ینزلنی

"میں تو غلام ہوں، میرا آقا جو کچھ کھلاتا ہے، کھاتا ہوں

اور جہاں لے جاتا ہے، چلا جاتا ہوں" (ایضاً ص ۳۶۴)

ایک مرتبہ آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں دیکھا کہ ایک سقہ آواز لگا رہا ہے "جو مجھ سے پانی پیے، اللہ اس پر رحم کرے"۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی آواز سنی تو آگے بڑھ کر اس سے پانی مانگا اور پی لیا۔ کسی نے پوچھا کہ "آپ تو روزے سے تھے؟" فرمایا کہ "ہاں! لیکن میں نے سوچا کہ شاید اس اللہ کے بندے کی

دعا مجھے لگ جائے" (اور روزہ نفلی تھا، بعد میں قضا کر لی ہوگی) (ایضاً ص ۳۶۵)

ایک مرتبہ آپ دجلہ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے، سامنے سے ایک کشتی گزری جس میں کچھ بے فکر نوجوان گاتے بجاتے جا رہے تھے۔

کسی نے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ: "دیکھئے یہ لوگ دریا میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز نہیں آتے، ان کے لئے بددعا کر دیجئے" اس پر حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی کہ:

"یا الٰہی! اے میرے آقا! آپ سے التجا کرتا ہوں کہ جس طرح آپ نے ان نوجوانوں کو دنیا میں مسرتیں بخشی ہیں، ان کو جنت میں بھی مسرتیں عطا فرمائیے"۔

حاضرین نے کہا کہ ہم نے تو آپ سے بددعا کے لئے کہا تھا، فرمایا کہ "اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں آخرت میں مسرتیں عطا فرمائیں تو ان کے دُنیوی اعمال سے ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس میں تمہارا تو کوئی نقصان نہیں۔" (صفۃ الصفوۃ ص ۱۸۱ ج ۲)

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۲۰۰ھ میں ہوئی اور یہ بات اہل بغداد میں مشہور تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے مزار پر کی ہوئی دعا قبول فرماتے ہیں۔ خاص طور پر قحط کے زمانے میں بارش کی دعا (الطبقات الکبریٰ للشعرانی رحمہ اللہ ص ۶۱ ج ۱)

ابو عبداللہ بن الحاملی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "میں معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے بارے میں ستر سال سے جانتا ہوں کہ جو کوئی غمزدہ وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتے ہیں" (تاریخ بغداد للخطیب ص ۱۲۳ ج ۱)

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

حضرت سری بن مغلس سقطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۵۱ھ) انہی حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفۂ خاص ہیں، اپنے زمانے میں تصوف اور عقائد کے امام تھے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بغداد میں علمِ توحید پر سب سے پہلے انہوں نے ہی کلام کیا۔ (طبقات ص ۲۳۰، ج ۱)

امام ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا یہ زریں ملفوظ روایت کیا ہے کہ:

من ادعی باطن علم ینقض ظاهر حکم فهو غالط

جو کوئی شخص کسی ایسے علم باطن کا دعویٰ کرے جو کسی ظاہری حکم شرعی کے خلاف ہو تو وہ خطا کار ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ص ۱۲۱ ج ۱۰)

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا خصوصی اہتمام تھا کہ دین کے کسی کام میں طلب دنیا کا شائبہ نہ آنے پائے۔ چنانچہ وہ اپنے معتقدین سے کوئی ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ حد یہ کہ ایک مرتبہ انہیں کھانسی کی شکایت ہوئی تو ان کے معتقدین میں سے کسی نے کھانے کے لئے ایک گولی اپنے بیٹے کے ہاتھ ان کے پاس بھیج دی، بیٹے نے گولی پیش کی تو حضرت رحمہ اللہ نے پوچھا: اس کی کیا قیمت ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ میرے والد نے مجھے قیمت نہیں بتائی۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: "اپنے والد کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ ہم پچاس سال سے لوگوں کو یہ تعلیم دے رہے ہیں کہ اپنے دین کو دنیا خوری کا ذریعہ نہ بناؤ، آج ہم خود اپنے دین کے عوض دنیا خوری کیسے کریں؟ (حلیہ ص ۱۱۷، ج ۱۰)

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو اچھی حالت بخشی ہے وہ سب حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی برکت ہے، ایک دن میں نماز عید پڑھ کر واپس آرہا تھا تو میں نے دیکھا کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ ایک پراگندہ بال بچے کو لیے کہیں جارہے ہیں، میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟

فرمایا کہ میں نے راستے میں دیکھا کہ بچے کھیل رہے ہیں اور یہ بچہ اُن سے الگ اداس کھڑا ہے، میں نے اس سے پوچھا کہ "تم کیوں نہیں کھیلتے؟

اُس نے جواب دیا کہ "میں یتیم ہوں"۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معروف کرخی سے پوچھا کہ "آپ اس بچے کو ساتھ لے جا کر کیا کریں گے؟" انہوں نے فرمایا کہ "کہیں سے گٹھلیاں جمع کر کے اسے دوں گا جس سے یہ اخروٹ خرید کر خوش ہوگا"۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ "یہ بچہ مجھے دے دیجئے، میں اس کی دیکھ بھال کروں گا" انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا کہ "واقعی کرو گے؟" میں نے وعدہ کیا تو فرمایا:

"لے جاؤ اللہ تمہارا دل غنی کرے"۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی اس دعا کی بدولت میرے دل کی یہ حالت ہوگئی کہ دنیا مجھے حقیر سے حقیر شے کے مقابلے میں بھی کم معلوم ہوتی ہے۔ (حلیہ ص ۱۲۳، ج ۱۰)

یہ بھی حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا واقعہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو کچھ لوگ عیادت کے لئے آئے۔ احادیث کی رُو سے عیادت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ بیمار شخص سے بے تکلف نہ ہوں، ان کو مختصر طور پر بیمار پُرسی کرنے کے بعد بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھنا چاہیے، تاکہ اسے تکلیف نہ ہو، لیکن حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی بیمار پُرسی کرنے والے دیر تک ان کے پاس بیٹھے رہے، تکلف والے افراد کے دیر تک بیٹھنے سے بیمار کو طبعی طور پر تکلیف ہوتی ہی ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ہوئی، جب کافی دیر گزر گئی تو آنے والوں نے کہا کہ "دعا فرما دیجئے۔" اس پر حضرت سقطی نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: "یا اللہ! ہمیں عیادت کے آداب سکھا دیجئے۔" (ایضاً ص ۱۲۲)

حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

کے مزار پر

سید الطائفہ حضرت جنید بن محمد بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ کسی تعارف کے محتاج نہیں، آپ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے بھی تھے اور ان کے خلیفہ بھی۔

آپ کے آباء واجداد نہاوند کے باشندے تھے۔ لیکن آپ کی ولادت اور نشو ونما عراق میں ہوئی۔ آپ صوفیائے کرام کے سرخیل ہونے کے ساتھ ساتھ علوم ظاہرہ کے بھی زبردست عالم تھے اور فقہ میں عموماً حضرت امام ابوثور رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں (طبقات الشعرانی ص ۷۲، ج ۱)

امام ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ مقولہ نقل فرمایا ہے کہ

"جو شخص حافظِ قرآن نہ ہو، اس نے کتب حدیث کا مشغلہ نہ رکھا ہو اور علمِ فقہ نہ حاصل کیا ہو، وہ اقتداء کے لائق نہیں۔" (حلیۃ الاولیاء ص ۲۵۵، ج ۱۰)

آپ کے بے شمار ملفوظات اولیائے کرامؒ نے محفوظ کر کے ہم تک پہنچائے ہیں، جن میں علم وحکمت اور فراستِ ایمانی کے خزانے پنہاں ہیں۔ امام ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب حلیۃ الاولیاء کی دسویں جلد میں آپ کے ملفوظات تیس صفحات میں بیان فرمائے ہیں جن میں سے چند بطورِ مثال پیشِ خدمت ہیں:

(۱) فرمایا کہ: من ظنّ انه يصل ببذل المجهود فمتعنّ

ومن ظن انه يصل بغير بذل المجهود فمتمنّ.

جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ وہ اپنی کوشش سے اللہ تک پہنچ جائے گا، وہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈال رہا ہے، اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ بغیر محنت اور کوشش کے پہنچ جائے گا وہ خواہ مخواہ آرزوئیں باندھ رہا ہے۔ (صفحہ ۲۶۷)

مطلب یہ ہے کہ بے عملی کے ساتھ آرزوئیں لگانا بھی غلط ہے اور محنت و کوشش کر کے اس پر ناز اور اعتماد کرنا بھی غلط۔

صحیح راستہ یہ ہے کہ کوشش میں لگا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و رحمت کا طلب گار ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم و رحمت ہی سے وصول ہوتا ہے۔

(۲) فرمایا کہ: لا تيأس من نفسك و أنت تشفق من ذنبك و تندم عليه بعد فعلك (ص ۲۶۷)

جب تک تم اپنے گناہوں سے خائف ہو اور اگر کبھی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر ندامت محسوس کرتے ہو، اس وقت تک اپنے آپ سے مایوس نہ ہو۔

(۳) آپ کے شیخ حضرت سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے پوچھا کہ شکر کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا:

ألا يستعان بشيء من نعمه على معاصيه.

شکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کو اس کی معصیتوں میں استعمال نہ کیا جائے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو بے حد پسند فرمایا (ص ۱۱۹ و ۲۶۸، ج ۱۰)

(۴) فرمایا کہ: الانسان لا يعاب بما في طبعه، انما يعاب اذا فعل بما في طبعه (ص ۲۶۹)

جب تک کوئی بُری بات انسان کی طبیعت (دل) میں رہے، اس وقت تک وہ کوئی عیب نہیں، ہاں جب وہ طبیعت کی اس بات پر عمل کر لے تو یہ عیب کی بات ہے۔

یہ بعینہٖ وہ بات ہے جو حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ و ملفوظات میں ملتی ہے

کہ جب تک رذائل کے مقتضا پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک وہ رذائل مضر نہیں ہوتے۔

(۵) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ

”مجھے دُنیا میں پیش آنے والا کوئی واقعہ ناگوار نہیں ہوتا، اس لئے کہ میں نے یہ اُصول دل میں طے کر رکھا ہے کہ یہ دنیا رنج وغم اور بلاء اور فتنہ کا گھر ہے، لہٰذا اس کو تو میرے پاس برائی ہی لے کر آنا چاہیے۔ لہٰذا اگر کبھی وہ کوئی پسندیدہ بات لے کر آئے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، ورنہ اصل وہی پہلی بات ہے۔“ (ص ۲۷۰)

(۶) ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ ”دُنیا“ (جس سے پرہیز کی تاکید کی جاتی ہے) کیا ہے؟ فرمایا: مادنا من القلب، و شغل عن اللہ

جو دل کے قریب آجائے اور اللہ تعالیٰ سے غافل کردے۔ (ص ۲۷۴)

(۷) ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ ”متی تصیر النفس داء ھا دواء ھا“ ایسا کب ہوتا ہے کہ نفس کے امراض خود اس نفس کا علاج بن جائیں؟

آپ نے برجستہ جواب دیا:

اذا خالفت ھواء ھا صار داء ھا دواء ھا

جب تم نفس کی مخالفت کرو تو اس کی بیماری ہی اس کا علاج بن جاتی ہے۔ (ص ۲۷۴)

یہ تو چند مثالیں ہیں، ورنہ آپ کے تمام ملفوظات اسی قسم کی حکمتوں سے لبریز ہیں۔

ابو بکر عطار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں حضرت جُنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے وقت میں ان کے پاس حاضر تھا، وہ اس وقت بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے، اور سجدے کے وقت اپنے پاؤں کو دُہرا کر لیتے تھے۔

یہاں تک کہ اسی حالت میں ان کے پاؤں سے روح نکل گئی اور اس کو حرکت دینا ممکن نہ رہا۔ لیکن آپ پھر بھی عبادت میں مشغول رہے۔ کسی نے کہا کہ ”آپ لیٹ جاتے تو اچھا تھا“۔ فرمایا کہ: ”یہ تو اللہ کی طرف سے احسان کا وقت ہے۔ اللہ اکبر“۔ اور پھر اسی حالت میں آپؒ کی وفات ہوگئی۔ سن وفات ۲۹۷ھ ہے۔

ان تینوں بزرگوں کے مزارات ایک ہی احاطے میں واقع ہیں، اور اس کے آس پاس دُور تک قبروں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے۔ ان حضرات کے مزارات تو معلوم ہو گئے، لیکن اس قدیم قبرستان میں نہ جانے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور جہد و عمل کے کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب روپوش ہوں گے۔ بغداد صدیوں تک عالمِ اسلام کا دارالحکومت، علماء و اولیاء اور مجاہدین و شہداء کا مرکز رہا ہے۔ اس کے قبرستانوں کا چپہ چپہ عالمِ اسلام کی برگزیدہ شخصیات کے انوار سے منور ہے، لیکن پندرھویں صدی کے ایک انجان مسافر کے لئے ان شخصیات کی تلاش اور پہچان ناممکن تھی۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا شعر یاد آ گیا۔

ڈھونڈیں ہم اب نقوشِ سبک رفتگاں کہاں؟
اب گردِ کارواں بھی نہیں کارواں کہاں؟

چنانچہ اجمالی طور پر قبرستان کے تمام مکینوں پر فاتحہ پڑھ کر آگے روانہ ہوئے بغیر چارہ نہ تھا۔

❁❁❁

ایک اِصلاح افروز واقعہ

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس لوگ قحط سالی کی شکایت کرنے گئے... تو انہوں نے کہا کہ یہ سب میرے گناہوں کی وجہ سے ہو رہا ہے... میں یہاں سے چلا جاتا ہوں... شاید اللہ تعالیٰ تم پر رحمت نازل فرمادے... آج ہم لوگوں کو دوسروں پر تبصرہ کرنا آتا ہے... کہ لوگ یوں کر رہے ہیں... لوگوں کے اندر یہ خرابیاں ہیں... جس کی وجہ سے فساد ہو رہا ہے... لیکن اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھنے والا شاذ و نادر ہی آج کوئی ملے گا... اس لئے دوسروں کو چھوڑو... اور اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ (اصلاحی خطبات ۷)... (جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

ان بزرگوں کے مزارات پر حاضری کے بعد ہم حضرت موسیٰ الکاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مُبارک پر حاضر ہوئے جو بغداد کے مغربی حصے رصافہ میں واقع ہے، اس مزار کی وجہ سے اس پورے علاقے کا نام ”کاظمیہ“ ہے۔

حضرت موسیٰ الکاظم رحمہ اللہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے صاحبزادے ہیں، ورع وتقویٰ اور علم وفضل میں خانوادۂ نبوت کے اوصاف کے امین اور اپنے زمانے میں مسلمانوں کے مرجع اور امام تھے، علمِ حدیث میں بھی آپ مقامِ بلند کے حامل تھے۔ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے آپ کی احادیث روایت کی ہیں۔ (الخلاصۃ للخزرجی ص ۳۹۰)

آپ مدینہ طیبہ میں مقیم تھے، خلیفۂ وقت مہدی کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ شاید یہ اس کی حکومت کے خلاف بغاوت کریں گے، اس لئے اُس نے آپ کو قید کردیا لیکن اسی قید کے دوران اسے خواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی۔ دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مہدی کو خطاب کر کے یہ آیت تلاوت فرمارہے ہیں۔

فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا

فی الارض و تقطعوا ارحامکم (سورۂ محمد: ۲۲)

تو کیا تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد مچاؤ اور رشتے داریاں کاٹ ڈالو۔

مہدی کی آنکھ کھلی تو رات ابھی باقی تھی، لیکن صبح تک انتظار کرنے کا حوصلہ نہ ہوا، اپنے وزیر کو اسی وقت بلوایا اور حکم دیا کہ موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کو اسی وقت یہاں لے آؤ۔

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ تشریف لائے تو مہدی نے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان سے معانقہ کیا، اپنے پاس بٹھایا اور خواب بیان کر کے کہا کہ: ''کیا آپ مجھے یہ اطمینان دلا سکتے ہیں کہ اگر میں آپ کو رہا کر دوں تو آپ میرے یا میری اولاد کے خلاف بغاوت نہیں کریں گے؟'' حضرت نے جواب دیا: ''خدا کی قسم! نہ میں نے کبھی ایسا کیا ہے اور نہ یہ میری فطرت ہے''۔ یہ سن کر مہدی نے آپ کو تین ہزار دینار ہدیہ پیش کیا اور رہا کر دیا۔ مہدی کے وزیر ربیع کا کہنا ہے کہ میں نے راتوں رات ہی اس حکم کی تعمیل کی اور چونکہ خطرہ تھا کہ کہیں کوئی اور رُکاوٹ نہ پیش آ جائے، اس لئے پَو پھٹنے سے پہلے ہی ان کو مدینہ طیبہ کے راستے پر روانہ کر دیا۔ (صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی ص ۱۰۴، ج ۲)

لیکن بعد میں جب ہارون رشید خلیفہ بنا تو اس کو بھی شاید اسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہو گئی۔ چنانچہ جب وہ حج کے لئے حجاز گیا، تو وہاں سے حضرت موسیٰ الکاظم رحمۃ اللہ علیہ کو ساتھ لے کر آیا اور بغداد میں آپ کو دوبارہ قید کر دیا اور اسی قید کی حالت میں آپ کی وفات ہوئی۔ اس دوسری قید کے دوران آپ نے ہارون رشید کو جو ایک مختصر خط لکھا ہے وہ اپنی بلاغت اور تاثیر کا شاہکار ہے اور اس کو جتنی بار پڑھا جائے، اس میں حکمت و موعظت کی ایک کائنات سمٹی ہوئی نظر آتی ہے۔ فرمایا:

انه لن ينقضي عني يوم من البلاء الا انقضى عنك
معه يوم من الرخاء حتى نفضي جميعا الى يوم ليس له
انقضاء، يخسر فيه المبطلون۔ (صفۃ الصفوۃ ص ۱۰۵ ج ۲)

اس دریا بکوزہ فقرے کی اصل تاثیر تو عربی زبان ہی میں ہے لیکن اُردو میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ ''میری اس آزمائش کا جو دن بھی کٹتا ہے وہ تمہاری عیش و عشرت کا ایک دن اپنے ساتھ کاٹ کر لے جاتا ہے، یہاں تک کہ ہم دونوں ایک ایسے دن تک پہنچ

جائیں گے جو کبھی کٹ نہیں سکے گا، اُس دن خسارہ اُن لوگوں کا ہوگا جو باطل پر ہیں۔"

حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ کشف و کرامات بزرگ تھے، کثرت عبادت کی بنا پر ان کا لقب "العبد الصالح" مشہور تھا۔

جود و سخا میں بھی یکتا تھے جب کسی شخص کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ آپ کی غیبت کرتا ہے تو اس کے پاس کوئی مالی ہدیہ بھیج دیتے۔ ہارون رشید کی قید ہی میں ۵ رجب ۱۶۳ھ کو وفات ہوئی۔ (الطبقات الکبریٰ للشعرانی ص ۳۳، ج ۱)

اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد بھی ان کے مزار کو یہ مقام بخشا کہ بزرگوں کے تجربے کے مطابق وہاں جو دُعا کی جائے، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتے ہیں۔

ابو علی خلال کہتے ہیں کہ "مجھے جب بھی کوئی پریشانی پیش آئی تو میں حضرت موسیٰ بن جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر گیا اور ان کے توسل سے دُعا کی، اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ میرے مقصد کو آسان فرما دیا۔" (تاریخ بغداد للخطیب ص ۱۲۰، ج ۱)

اللہ بہت بڑا ہے

ہمارا ایمان ایک ایسے دین پر ہے جس میں تمام کامیابیوں کا مدار ایک قادرِ مطلق ذات ہے جس کی مشیت کے بغیر دنیا کا ایک ذرہ ادھر سے اُدھر نہیں ہل سکتا، پھر آخر ہمارے لئے خرابی حالات کو دیکھ دیکھ کر مایوس ہونے کا کیا جواز ہے؟ ہم دور دور سے مشکلات کا شکوہ کرنے کے بجائے اس ذات کی طرف کیوں نہ رجوع کریں جس کے ہاتھ میں ان سارے حالات کی باگ ڈور ہے؟ (اصلاحی مضامین)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

حضرت موسیٰ الکاظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار ہی کے احاطے میں جنوبی جانب ایک مسجد ''جامع ابی یوسف'' کے نام سے بنی ہوئی ہے۔

اسی مسجد کے ایک حصے میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعد یہاں حاضری ہوئی۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امت کے ان عظیم محسنوں میں سے ہیں جن کے احسانات سے اس امت کی گردن ہمیشہ جھکی رہے گی۔ خاص طور پر فقہ حنفی کے پیروؤں کے لئے ان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔

انہوں نے نہ صرف بحیثیت فقیہ اپنے شیخ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو امت کی طرف منتقل کیا بلکہ قاضی القضاۃ کی حیثیت سے اس فقہ کو محض نظریاتی حیثیت سے نکال کر جیتی جاگتی زندگی میں عملاً نافذ فرمایا۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے والد ابراہیم اِن کے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے، ان کی والدہ نے فکر معاش کی وجہ سے انہیں ایک دھوبی کے حوالے کر دیا، لیکن انہیں پڑھنے کا شوق تھا۔ یہ جا کر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں بیٹھنے لگے۔

والدہ کو علم ہوا تو انہوں نے منع کیا، اور اس بنا پر وہ کئی روز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں نہ جاسکے۔ ذہین اور شوقین طالب علم کی طرف استاذ کی توجہ طبعی بات ہے۔

جب کئی دن بعد وہ درس میں پہنچے تو امام صاحب رحمہ اللہ نے غیر حاضری کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے درس کے بعد انہیں بلایا، ایک تھیلی حوالے کی جس میں سو درہم تھے اور فرمایا کہ:

''ان سے کام چلاؤ، اور جب ختم ہو جائیں تو مجھے بتانا''

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کبھی مجھے امام صاحب کو بتانے کی نوبت نہیں آئی کہ تھیلی ختم ہو چکی ہے، ہمیشہ جب پیسے ختم ہو جاتے، امام صاحب رحمہ اللہ خود ہی مزید پیسے عطا فرما دیتے، جیسے انہیں ختم ہونے کا الہام ہو جاتا ہو۔

ان کی والدہ شاید یہ سمجھتی ہوں گی کہ یہ سلسلہ کب تک چل سکتا ہے؟ کوئی مستقل ذریعۂ معاش ہونا چاہیے۔ اس لئے ایک مرتبہ انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ''یہ یتیم بچہ ہے، میں چاہتی ہوں کہ کوئی کام سیکھ کر کمانے کے لائق ہو جائے، اس لئے آپ اسے اپنے درس میں شریک ہونے سے روکیے۔''

لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ: ''یہ تو پستے کے گھی میں فالودہ کھانا سیکھ رہا ہے''۔ والدہ نے اسے مذاق سمجھا اور چلی گئیں۔

لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ خود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی علم کی بدولت وہ قدر و منزلت عطا فرمائی کہ میں قضاء کے منصب تک پہنچا، اور اس دوران بکثرت خلیفۂ وقت ہارون رشید کے دستر خوان پر کھانا کھانے کا اتفاق ہوتا تھا۔ ایک روز میں ہارون رشید کے پاس بیٹھا تھا کہ اس نے ایک پیالہ مجھے پیش کیا اور بتایا کہ ''یہ بڑی خاص چیز ہے جو ہمارے لئے بھی کبھی کبھی بنتی ہے۔''

میں نے پوچھا: ''امیر المؤمنین! یہ کیا ہے؟'' کہنے لگے کہ: ''یہ پستے کے روغن میں بنا ہوا فالودہ ہے'' یہ سن کر مجھے حیرت کی وجہ سے ہنسی آ گئی۔ ہارون رشید نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو میں نے اسے سارا قصہ سنایا۔ وہ بھی حیرت زدہ رہ گیا اور کہنے لگا کہ ''اللہ تعالیٰ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر رحم فرمائے وہ اپنی عقل کی آنکھ سے وہ کچھ دیکھتے تھے جو

چشمِ سر سے نظر نہیں آ سکتا۔" (تاریخ بغداد للخطیب ص ۲۴۵، ج ۱۴)

اللہ تعالیٰ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کی برکت سے علم و فقہ میں وہ مقام بخشا جو بہت کم کسی کو نصیب ہوتا ہے، فقہ کے علاوہ علمِ حدیث میں بھی ان کا مقام مسلم ہے۔

یہاں تک کہ جن حضرات نے غلط فہمیوں کی بنا پر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ پر علم حدیث میں جرح کی ہے، وہ بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث میں ثقہ مانتے ہیں۔ (کتاب الثقات، لابن حبان)

بلکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے علمِ حدیث حاصل کرنا چاہا تو سب سے پہلے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا، اس کے بعد دوسرے مشائخ سے علم حاصل کیا۔ (تاریخ بغداد، ص ۲۵۵ ج ۱۴)

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد تقریباً سترہ سال آپ قاضی کے منصب پر فائز رہے، اور اسلام میں "قاضی القضاۃ" کا لقب سب سے پہلے آپ ہی کے لئے استعمال ہوا۔ لیکن حضرت یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ منصبِ قضاء کی زبردست مصروفیات کے باوجود آپ یہ عہدہ سنبھالنے کے بعد دن اور رات میں ملا کر دو سو رکعتیں یومیہ پڑھا کرتے تھے۔ (مرآۃ الجنان للیافعی ص ۳۸۲ ج ۱)

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے پہلے خلیفہ موسیٰ بن المہدی نے قاضی بنایا تھا۔ اتفاق سے اسی کا ایک عام شہری سے ایک باغ کے سلسلے میں کچھ تنازعہ پیش آ گیا، اور مقدمہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔

خلیفہ موسیٰ کی طرف سے اس کی ملکیت پر گواہ پیش ہو گئے اور گواہوں کی گواہی کی بنا پر بظاہر فیصلہ خلیفہ ہی کے حق میں ہونا تھا، لیکن امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو کچھ شبہ ہو گیا کہ شاید حقیقت اس کے خلاف ہے جو گواہوں کی گواہی سے ظاہر ہو رہی ہے۔

اس لئے انہوں نے موسیٰ بن المہدی کو عدالت میں طلب کر کے ان سے کہا کہ

''امیر المؤمنین! آپ کے فریقِ مخالف کا مطالبہ ہے کہ آپ سے یہ قسم لی جائے کہ آپ کے گواہوں نے سچی گواہی دی ہے۔''

عام قاعدے کی رو سے مدعی اگر اپنے دعوے پر قابلِ اعتماد گواہ پیش کر دے تو مدعی کو قسم کھانے پر مجبور نہیں کیا جاتا، اس لئے موسیٰ نے پوچھا:

''کیا آپ کی رائے میں اس طرح مدعی سے قسم لینا درست ہے؟''

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا'' قاضی ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہی تھا کہ وہ مدعی سے قسم لینے کو جائز سمجھتے تھے۔''

خلیفہ کو کسی مادی تنازعے میں قسم کھانا گوارا نہ تھا، اس لئے خلیفہ نے کہا:''میں باغ سے مدعا علیہ کے حق میں دستبردار ہوتا ہوں''۔

چنانچہ باغ مدعا علیہ کو دلوا دیا گیا۔(تاریخ بغداد ص ۲۴۹، ج ۱۴)

سترہ سال قضاء کی نازک ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد جب وفات کا وقت آیا تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ''الحمد للہ، میں نے جان بوجھ کر کسی مقدمے میں ناحق فیصلہ نہیں کیا۔ ہمیشہ کتاب وسنت کی روشنی میں فیصلہ کرنے کی کوشش کی، اور جس مسئلے میں کبھی کوئی مشکل پیش آئی اس میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر اعتماد کیا، کیونکہ میرے علم کے مطابق وہ اللہ کے احکام کے بہترین شارح تھے۔''

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے، ایک دن انہوں نے اپنے متوسلین میں سے کسی سے کہا کہ:

''امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ آج کل بیمار ہیں، اگر ان کا انتقال ہو جائے تو مجھے ضرور بتانا''(مقصد یہ تھا کہ ان کی نماز جنازہ میں شرکت کریں)۔

وہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی حالت معلوم کرنے کے لئے ان کے گھر پہنچا تو وہاں سے جنازہ باہر نکل رہا تھا۔

میں نے سوچا کہ اب اتنا وقت نہیں ہے کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو

اطلاع کی جائے اور وہ جنازے میں شریک ہوسکیں، اس لئے میں خود ان کی نماز جنازہ میں شامل ہوگیا اور بعد میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کو سارا واقعہ بتایا۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ بار بار اِنّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے رہے اور جنازے میں شریک نہ ہوسکنے پر بہت افسوس کا اظہار کرنے لگے۔

جو عالم سترہ سال تک قضاء کے سرکاری منصب پر فائز رہا ہو، اس کے بارے میں معاصرین کو اگر بدگمانیاں پیدا نہ ہوں تو کم از کم اُن کی بزرگی اور ورع وتقویٰ کا ایسا احساس باقی نہیں رہتا کہ حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ جیسے صوفی بزرگ ان کے جنازے میں شریک نہ ہونے پر رنجیدہ ہوں۔ شاید اس لئے اُن صاحب نے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ ''ان کے جنازے میں شریک نہ کرنے پر آپ کو اتنا افسوس کیوں ہے؟'' حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''میں نے (غالباً خواب میں) دیکھا ہے کہ جیسے میں جنت میں گیا ہوں، وہاں ایک محل بن کر تیار ہوا ہے، اس کے دروازے پر پردے لٹکائے گئے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے؟ مجھے جواب ملا کہ یہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ میں نے پوچھا کہ ان کو یہ مرتبہ کس عمل کی بدولت ملا؟ جواب دیا گیا کہ: وہ لوگوں کو بھلائی کی تعلیم بھی دیتے تھے اور خود بھی اس کے حریص تھے اور لوگوں نے انہیں تکلیفیں بھی بہت پہنچائیں''۔ (تاریخ بغداد للخطیب ص ۲۶۱ ج ۱۴)

برکت کا مفہوم

برکت کا مطلب یہ ہے... کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو تمہارے لئے باعث راحت بنادے اور ایسا باعث راحت بنادے... کہ چاہے یہ چیز مقدار میں تھوڑی ہو... لیکن فائدہ اس چیز سے زیادہ پہنچ جائے... اسی کا نام برکت ہے۔ (اصلاحی خطبات ۸)... (جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے مزار پر

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے نکلے تو سورج ڈھلنے کے قریب تھا اور اب دل میں شدید اشتیاق حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری کا تھا جو یہاں سے کافی دور واقع ہے، لیکن ہمارے ڈرائیور نے مغرب کے وقت جامع الامام الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ میں پہنچا دیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کی وجہ سے یہ پورا علاقہ "اعظمیہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اب تو یہ شہر کا خاصا بارونق علاقہ ہے، لیکن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عہد مبارک میں یہ ایک قبرستان تھا، اور چونکہ خلیفہ کی کنیز "خیزران" یہاں دفن ہوئی تھی، اس لئے "مقبرۃ الخیزران" کے نام سے مشہور تھا۔

خطیب نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مشہور راوی محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قبرستان میں مدفون ہیں، لیکن اب دوسری قبریں تو بے نشان ہو چکی ہیں اور اس کی جگہ آبادی نے لے لی ہے۔

البتہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ابھی باقی ہے، اور اس کے قریب ایک شاندار مسجد "جامع الامام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ" کے نام سے تعمیر کر دی گئی ہے۔

ہم مسجد کے دروازے پر پہنچے تو اذانِ مغرب کی دلکش صدا گونج رہی تھی۔ مزار پر حاضری سے پہلے مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی۔ پھر شوق و ذوق کے جذبات دل میں لئے مزار پر حاضری ہوئی۔ ایسا محسوس ہوا کہ سرور و سکون اور نورانیت نے مجسم ہو کر اس مبارک مزار کے گرد ایک ہالہ بنایا ہے۔ سامنے وہ محبوب شخصیت آسودہ تھی

جس کے ساتھ بچپن ہی سے تعلقِ خاطر کی کیفیت یہ رہی ہے کہ ان کا اسمِ گرامی آتے ہی دل میں عقیدت ومحبت کی پھواریں پھوٹتی محسوس ہوتی ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں کوفہ میں پیدا ہوئے جب یہ شہر علم و فضل کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کے چپہ چپہ پر بڑے بڑے محدثین اور فقہاء کے حلقہ ہائے درس آراستہ تھے، اور علم حدیث کا کوئی بھی طالب کُوفہ کے علماء سے بے نیاز نہیں ہوسکتا تھا۔ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کا نام ثابت تھا اور ان کا انتقال امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بچپن ہی میں ہوگیا تھا۔ بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی والدہ نے بعد میں حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے نکاح کرلیا تھا اور آپ ان کی آغوش تربیت میں پروان چڑھے (حدائق الحنفیہ ص ۴۳، بحوالہ مفتاح السعادہ)

شروع میں حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تجارت میں زیادہ مشغول رہے لیکن ساتھ ساتھ علمِ عقائد وکلام سے بھی شغف تھا۔ حضرت عامر بن شراحیل شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ میں ذہانت وفطانت کے آثار دیکھے تو تحصیلِ علم میں انہماک کی نصیحت کی۔ یہ نصیحت کارگر ہوئی اور آپ نے تجارت کے مشغلے کے بجائے تحصیل علم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ (مناقب الامام الاعظم للمکی ص ۵۹ ج ۱)

اور اپنے عہد کے بیشتر جلیل القدر مشائخ سے علم حاصل کیا، یہاں تک کہ بعض حضرات نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ کی تعداد چار ہزار تک بتائی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے علم ودین کی جو عظیم خدمت لی وہ محتاجِ بیان نہیں اور اسی کا ثمرہ ہے کہ آج آدھی سے زائد مسلم دنیا نے قرآن وسنت کی تشریح وتعبیر میں انہی کو اپنا امام اور مقتداء مانا ہوا ہے۔

شروع میں حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں ہی مقیم رہے، لیکن کوفہ کے امیر ابن ہبیرہ نے بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر آپ کو نہ صرف قید کیا، بلکہ اذیتیں بھی دیں، بالآخر جب آپ قید سے رہا ہوئے تو اس کے ظلم وستم سے بچنے کے لئے مکہ مکرمہ

کا رخ کیا اور کئی سال وہاں مقیم رہے۔ بعد میں جب عراق کے حالات سازگار ہوئے تو دوبارہ عراق تشریف لائے، اُس وقت عباسی خلافت کا آغاز ہو رہا تھا۔

شروع میں آپ نے اس امید پر عباسی خلافت کا خیر مقدم کیا کہ وہ دینی اعتبار سے بنوامیہ سے بہتر ثابت ہوں گے۔ لیکن جب یہ امید بر نہ آئی تو عباسی خلفاء سے بھی آپ کا اختلاف شروع ہو گیا۔ خلیفہ منصور اپنے عہد حکومت میں یہ چاہتا تھا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوئی سرکاری منصب قبول فرمالیں، تاکہ لوگوں کو ان کی حمایت کا تاثر دیا جاسکے، لیکن حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس لئے کوئی منصب قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے کہ اس میں بعض خلافِ شرع اُمور میں سرکاری احکام کی تعمیل کرنی پڑے گی، بالآخر جب اصرار زیادہ بڑھا تو آپ نے بغداد کے معماروں کی نگرانی اور اینٹیں شمار کرنے کی ذمہ داری قبول فرمالی۔

بعد میں منصور کی طرف سے عہدۂ قضا قبول کرنے پر اصرار کیا گیا۔ لیکن حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس پر کسی طرح راضی نہ ہوئے، جس کی پاداش میں منصور نے آپ کو قید بھی کیا اور ایک سو دس کوڑے بھی لگوائے۔

پھر بعض روایات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی قید کی حالت میں وفات ہوئی، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ رہائی تو ہو چکی تھی لیکن حکومت کی طرف سے فتویٰ دینا اور گھر سے باہر لوگوں سے میل جول رکھنا ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔

اسی حالت میں وقتِ موعود آ پہنچا اور آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اور اس طرح بغداد کے اس حصے کو آپ کی آرام گاہ بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، یہ جگہ جہاں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، ایک قبرستان تھا جو ''مقبرۃ الخیزران'' کے نام سے مشہور تھا لیکن حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تدفین کے بعد یہ ''اعظمیہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدین نے یہاں ایک مسجد تعمیر کر لی،

اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہی مسجد وسیع ہوتے ہوتے ایک شاندار جامع مسجد بن گئی اور اس کی ایک مستقل تاریخ ہے جس پر مسجد کے موجودہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہمیشہ مرجعِ خاص و عام رہا۔ بلکہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی سند سے امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ:

انّی لأ تبرک بأبی حنیفة وأجیئی الی قبره فی کل یوم. یعنی زائرا. فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین ، وجئت الی قبره وسألت اللّٰه تعالیٰ الحاجة عنده، فما تبعد عنی حتی تقضی . (تاریخ بغداد ص ۱۲۳، ج ۱)

''میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے برکت حاصل کرنے کے لئے روزانہ ان کی قبر پر جاتا ہوں، اور جب کبھی مجھے کوئی ضرورت لاحق ہوتی ہے، میں دو رکعتیں پڑھ کر ان کی قبر پر حاضر ہوتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ میری حاجت جلد پوری فرما دیتے ہیں۔''

اور یہ بات تو بہت مشہور ہے ہی کہ ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو وہاں اپنے مسلک کے خلاف نمازِ فجر میں قنوت نہیں پڑھا، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل نہیں تھے۔

حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بیٹھ کر ایسا سرور و سکون محسوس ہوا جیسے کوئی بچہ ماں کی آغوش میں پہنچ کر سکون محسوس کرتا ہے۔

دِل چاہتا تھا کہ یہ کیفیت طویل سے طویل تر ہوتی چلی جائے لیکن کافی دیر ہو چکی تھی، اُٹھے بغیر چارہ نہیں تھا۔ بادلِ ناخواستہ یہاں سے رخصت ہوئے۔

حضرت سلمانؓ فارسیؓ رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اصلاً ایران ہی کے باشندے اور ایک آتش پرست خاندان کے فرد تھے، لیکن حق کی تلاش نے انہیں آتش پرستی سے متنفر کر دیا تو اپنے آتش پرست باپ کے علی الرغم عیسائی مذہب قبول کر کے شام چلے گئے اور شام اور عراق کے مختلف عیسائی علماء کی صحبت اختیار کی۔

بالآخر عموریہ کے ایک نصرانی عالم کے پاس پہنچے اور ان کی صحبت میں رہنے لگے۔ جب اس عالم کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ اب تک میں فلاں فلاں علماء کے پاس رہا ہوں، اب کہاں جاؤں؟ اس نصرانی عالم نے کہا کہ میں تمہیں کسی ایسے عالم کا پتہ بتانے سے قاصر ہوں جو بالکل صحیح راستے پر ہو۔

البتہ اب ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے جو دینِ ابراہیمی پر ہوگا، عرب کی سرزمین میں مبعوث ہوگا اور ایک سرزمین کی طرف ہجرت کرے گا جو نخلستانوں سے معمور ہوگی اگر تمہارے لئے اس نبی کے پاس پہنچنا ممکن ہو تو ضرور پہنچ جانا۔ اس نبی کی تین علامتیں ہوں گی، ایک یہ کہ وہ صدقہ کا مال نہیں کھائیں گے، دوسری یہ کہ وہ ہدیہ قبول کر لیں گے، اور تیسری یہ کہ ان کے شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔

نصرانی عالم کی وفات کے بعد حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک قافلے کے ساتھ عرب کی طرف روانہ ہوئے، لیکن قافلے کے ظالم ہمراہیوں نے راستے میں آپ

کو ایک یہودی کے ہاتھ غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ وہ یہودی مدینہ طیبہ کا رہنے والا تھا، آپ کو مدینہ طیبہ لے آیا۔ اس سرزمین کے نخلستان دیکھ کر انہیں یقین سا ہو گیا کہ یہ وہی جگہ ہے جس کے بارے میں نصرانی عالم نے بتایا تھا۔

اس یہودی کے پاس غلام بن کر کام کرتے ہوئے مدت گزر گئی۔

ایک دن یہ ایک درخت پر چڑھے ہوئے کام کر رہے تھے، اور ان کا یہودی آقا درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں اس یہودی کا ایک چچازاد بھائی آیا اور اس سے کہنے لگا کہ ''خدا بنی قیلہ (انصار) کو ہلاک کرے کہ قبا میں ایک شخص کے گرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور اسے نبی اور پیغمبر قرار دے رہے ہیں''۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

کہ جس وقت یہ جملہ میرے کان میں پڑا تو میرے جسم پر کپکپی سی طاری ہو گئی، اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ جیسے میں اپنے آقا کے اُوپر گر پڑوں گا۔

دل کو تھام کر درخت سے نیچے اُترے، اور یہودی سے پورا واقعہ معلوم کرنا چاہا، لیکن جواب میں یہودی آقا نے ایک طمانچہ رسید کیا، اور اسی وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے کی آرزو دل ہی میں رہ گئی، لیکن شام کو کام سے فراغت کے بعد اپنی تھوڑی سی پونجی لے کر قبا پہنچے، اور جا کر وہ پونجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی اور عرض کیا کہ آپ حضرات حاجت مند ہیں۔

اس لئے میں آپ کے اور آپ کے رفقاء کے لئے کچھ صدقہ پیش کرنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو لینے کی اجازت دی۔ حضرت سلمانؓ کے سامنے پہلی علامت ظاہر ہو چکی تھی۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبا سے مدینہ تشریف لے آئے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ دوبارہ حاضر خدمت ہوئے، اور صدقہ کے بجائے کچھ ہدیہ پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرما لیا یہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لئے دوسری علامت تھی۔

دو چار روز کے بعد حضرت سلمان رضی اللہ عنہ پھر حاضرِ خدمت ہوئے تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے کے ساتھ بقیع تشریف لائے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی، اور آپ درمیان میں تشریف فرما تھے، انہوں نے سلام کیا اور تیسری علامت یعنی مہرِ نبوت دیکھنے کے لئے سامنے سے اٹھ کر پیچھے آبیٹھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے آنے کا مقصد سمجھ گئے، اور پُشت مبارک سے چادر ہٹادی۔

انہوں نے مہرِ نبوت کو دیکھتے ہی پہچان لیا، تلاشِ حق کے طویل اور پُر مشقت سفر کی منزل مقصود سامنے تھی۔ جس ذاتِ اقدس کے انتظار میں غریب الوطنی سے لے کر غلامی تک نہ جانے کتنی صعوبتیں جھیلی تھیں، آج وہ فردوسِ نظر بن چکی تھی، سالہا سال کی جدوجہد کا پھل اچانک سرور وقرار کی شکل میں نظروں کے سامنے آیا، تو دل میں اٹھے ہوئے وہ طوفان جو نہ جانے کب سے سینے میں روپوش تھے، آنسوؤں کے دھارے کی شکل میں نگاہوں سے پھوٹ نکلے، آگے بڑھ کر مہرِ نبوت کو بوسہ دیا اور برسوں سے رُکے ہوئے عقیدت واخلاص کے آنسوؤں کی سوغات اُس کی نذر کردی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رونے کا احساس ہوا، اپنے سامنے بلایا، ان سے ماجرا دریافت کیا، انہوں نے اپنی ساری سرگزشت سنائی، اور آپ کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غریب الوطنی اور اسلام کی راہ میں مشقتیں جھیلنے کا جو صلہ عطا فرمایا اُس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نہ صرف وطن اور خاندان کی، بلکہ دُنیا ومافیہا کی ساری راحتیں قربان کرسکتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سلمان منّا اھل البیت (سلمان ہمارے اہل بیت میں سے ہیں)

ایک طرف عزت وتکریم کا یہ مقام تھا کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے اہل خاندان میں سے قرار دیا، اور دوسری طرف یہودی کی غلامی اب بھی باقی

تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا کہ اس یہودی سے کتابت کا معاملہ کرو، یعنی یہ کہ اسے کچھ رقم دے کر آزادی حاصل کرلو۔

یہودی نے آزادی کی جو شرائط عائد کیں، وہ تقریباً ناقابلِ عمل تھیں۔ کہا کہ چالیس اوقیہ سونا ادا کردو اور کھجور کے تین سو درخت لگاؤ، جب ان درختوں پر پھل آجائے گا تو تم آزاد ہوگے۔ تین سو کھجور کے درخت پر پھل آنے کے لئے ایک عُمر درکار تھی، لیکن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ترغیب دی کہ وہ کھجور کے پودوں سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی امداد کریں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعاون سے کھجور کے تین سو پودے جمع ہوگئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان پودوں کے لئے گڑھے تیار کرو۔ جب گڑھے تیار ہوگئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس تشریف لے گئے، اور تمام درخت خود اپنے دستِ مبارک سے لگائے اور برکت کی دعا فرمائی۔ پودے اس مقدس ہاتھ سے لگے تھے جس نے دلوں کی ویران کھیتیاں سیراب کی تھیں، اور جس نے چند ہی سالوں میں حق کے تناور درخت اگائے تھے۔ اس مبارک ہاتھ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ ان تمام کھجور کے درختوں پر ایک ہی سال میں پھل آگیا، اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی آزادی کی سب سے مشکل شرط پوری ہوگئی۔

اب چالیس اوقیہ سونے کی شرط باقی تھی، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے سونا آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمادیا کہ اس کے ذریعے آزادی حاصل کرلیں۔ بظاہر سونا چالیس اوقیہ سے بہت کم تھا، لیکن جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے وزن کیا تو پورا چالیس اوقیہ نکلا اور اس طرح رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت انہیں غلامی سے رہائی نصیب ہوئی۔

غلامی کی وجہ سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک نہیں ہوسکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا پہلا غزوہ غزوۂ

احزاب تھا اور اس غزوے میں آپؓ ہی کے مشورے سے خندق کھودی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ رضی اللہ عنہ مسلسل جہاد میں حصہ لیتے رہے، خاص طور پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب ایران پر لشکر کشی ہوئی تو اس میں آپ نے ایک نمایاں سالار کی حیثیت سے حصہ لیا۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں عرب مسلمان آپ کی کمان میں جہاد کرتے تھے۔

اور جامع ترمذی میں روایت ہے کہ جب ایران کے کسی قلعے پر حملہ کرنا ہوتا تو پہلے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ انہیں دعوتِ اسلام دیتے، اور یہ بتاتے کہ میں ایرانی ہونے کے باوجود اسلام کی بدولت عربوں کا امیر بنا ہوا ہوں۔ ایران فتح ہونے کے بعد آپ نے مدائن کو اپنا مستقر بنالیا تھا۔ کچھ عرصہ وہاں کے گورنر بھی رہے لیکن اپنی امارت کے زمانے میں بھی اتنے سادہ رہتے کہ دیکھ کر کوئی شخص انہیں امیرِ مدائن نہ سمجھ سکتا تھا۔

ایک مرتبہ شام کا ایک تاجر کچھ سامان لے کر مدائن آیا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ایک عام آدمی کی طرح سڑکوں پر پھر رہے تھے۔ شام کا وہ تاجر انہیں مزدور سمجھا، اور ان سے کہا کہ یہ گٹھڑی اٹھالو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کسی تامل اور توقف کے بغیر گٹھڑی اٹھالی، کچھ دیر بعد مدائن کے باشندوں نے انہیں بوجھ اُٹھائے دیکھا تو اس شامی تاجر سے کہا کہ ''یہ امیرِ مدائن ہیں'' اس پر وہ تاجر بہت حیران بھی ہوا اور شرمندہ بھی، اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے معذرت کے ساتھ درخواست کی کہ وہ بوجھ اتار دیں، لیکن حضرت سلمان رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ

''میں نے ایک نیکی کی نیت کرلی ہے، اب جب تک وہ پوری نہ ہو، یہ سامان نہیں اتاروں گا'' چنانچہ وہ سامان منزل تک پہنچا کر ہی دم لیا۔ (طبقات ابن سعد ص ۸۸، ج ۴)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدائن ہی میں ہوئی اور یہیں آپ کو دفن کیا گیا، آپ کی قبر مبارک پر آج بھی یہ حدیث کندہ ہے کہ: ''سلمان منّا اھل البیت''

حضرت حُذَیفہ بن یمانؓ رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مزار کے قریب ہی دو مزارات اور ہیں، ان میں ایک حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کا ہے اور دوسرے صاحب مزار کا نام حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مشہور جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ یہ قبیلۂ بنوعبس سے تعلق رکھتے تھے، اور اپنے وطن ہی میں اپنے والد ماجد کے ساتھ اسلام لے آئے تھے جن کا اصل نام "حسل" تھا اور لقب "یمان"۔

اِسلام لانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ اتفاق سے یہ ٹھیک وہ وقت تھا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کی تیاری فرما رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے کے لئے ابوجہل کا لشکر مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکا تھا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ اور ان کے والد کی راستے میں ابوجہل کے لشکر سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ انہوں نے دونوں کو گرفتار کرلیا اور کہا کہ تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جارہے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ہم تو مدینہ جارہے ہیں" اس پر ابوجہل کے لشکر والوں نے ان سے کہا کہ "ہم تمہیں اس وقت تک آزاد نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے ساتھ یہ معاہدہ نہ کرو کہ صرف مدینہ جاؤ گے، لیکن ہمارے خلاف جنگ میں ان کا ساتھ نہیں دو گے" مجبوراً ان حضرات نے معاہدہ کرلیا اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا واقعہ ذکر کیا۔

اُس وقت حق و باطل کا سب سے پہلا معرکہ درپیش تھا۔ مقابلہ ان کفارِ قریش سے تھا جو اسلحہ میں غرق ہو کر آئے تھے، اور جن کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں تین گنا سے بھی زائد تھی اور مسلمانوں کے لئے ایک ایک آدمی بڑا قیمتی تھا۔

لیکن سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگین حالات میں بھی معاہدے کی خلاف ورزی کو گوارا نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ:

نفی بعهد هم، و نستعین الله علیهم

''ہم ان کے عہد کو پورا کریں گے اور کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔'' (مسند احمد ج ۵ ص ۳۹۵ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۷۹)

اس بنا پر آپ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ امانت اور وفا کی ایسی تابناک مثالیں کسی اور قوم کی تاریخ میں کہاں مل سکتی ہیں؟ غزوۂ اُحد میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ شریک ہوئے لیکن ایک افسوسناک غلط فہمی کی بنا پر ان کے والد ماجد حضرت یمان رضی اللہ عنہ خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ چونکہ یہ حادثہ غلط فہمی میں پیش آیا تھا اس لئے حضرت حذیفہ نے اپنے بھائیوں کو خون بہا بھی معاف فرما دیا۔ (صحیح بخاری)

غزوۂ احزاب میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کی آخری رات کو آپ کو کفار کے لشکر کی خبر گیری کے لیے بھیجا تھا اور انہوں نے انتہائی جرأت و شجاعت اور حکمت و تدبر کے ساتھ یہ خطرناک مہم انجام دی، یہاں تک کہ کفار کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی مردم شماری بھی آپ ہی کے سپرد فرمائی تھی۔ جسے آپ نے بطریق احسن انجام دیا۔ اس وقت مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ہزار تھی۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آنے والے فتنوں کے بارے میں بہت کچھ بتا رکھا تھا اور بہت سے منافقین کی نشاندہی بھی فرما رکھی تھی۔ اسی لئے آپ کو ''صاحب

السِّرِّ" (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رازدار) کہا جاتا تھا۔ حد یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو قسم دے کر پوچھا کہ "میرا نام تو منافقین کی فہرست میں شامل نہیں" حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انکار فرمایا۔ (کنز العمال ص ۳۴۴، ج ۱۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ مسلسل مصروفِ جہاد رہے، دینور کا علاقہ آپ ہی کے مبارک ہاتھوں سے فتح ہوا۔ عراق اور ایران کی فتوحات میں آپ نے غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ کسریٰ کے دربار میں آپ ہی نے وہ ولولہ انگیز تقریر فرمائی جس نے کسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا۔

ایران کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدائن کا عامل (گورنر) مقرر فرما دیا تھا۔ آپ کسریٰ کے دارالحکومت کے گورنر بن کر پہنچے تو اس شان سے کہ ایک دراز گوش پر سوار تھے جس کے پالان کے ساتھ تھوڑا سا زادِ راہ رکھا ہوا تھا۔

اہل مدائن نے آپ کا استقبال کیا اور پیشکش کی کہ ہم آپ کی ہر خواہش پوری کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ نے جواب دیا:

طعاما آکله ، وعلف حماری هذا من تبن (بس میرے لئے یہ کافی ہے کہ مجھے کھانے کے لئے کھانا مل جائے اور میرے اس دراز گوش کا چارہ)

عرصۂ دراز تک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اسی سادگی کے ساتھ مدائن کے گورنر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ایک مرتبہ یہاں سے مدینہ طیبہ گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے سے راستے میں چھپ کر بیٹھ گئے۔

مقصد یہ تھا کہ اگر مدائن سے کچھ مال و دولت لے کر آئے ہوں تو پتہ چل جائے لیکن دیکھا کہ وہ جس حال میں گئے تھے، اسی حال میں واپس آ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر انہیں گلے سے لگا لیا۔ (سیر اعلام النبلاء للذھبی ص ۳۶۶، ج ۲)

حضرت حذیفہ بن یمان آخر میں مدائن میں ہی مقیم رہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن بعد آپ نے مدائن ہی میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ

حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کے مزار پر

انہی کے برابر میں دوسرے مزار پر صاحبِ مزار کا نام ''عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ لکھا ہوا ہے۔ آپکے بارے میں احقر کو پوری تحقیق نہ ہوسکی کہ کون بزرگ ہیں؟ جہاں تک حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے، وہ مشہور انصاری صحابی ہیں، لیکن ان کا قیام مدینہ طیبہ ہی میں رہا ہے اور وہیں اُن کی وفات ہوئی۔ (الاصابہ ص ۲۱۴، ج ۱)

عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ نام کے دو صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے، ایک عبداللہ بن جابر الأنصاری البیاضی رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے عبداللہ بن جابر العبدی رضی اللہ عنہ، لیکن دونوں بزرگوں کے نہ حالات دستیاب ہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ انہوں نے کہاں وفات پائی۔ (الاصابہ ص ۲۷۷، ج ۲)

لہٰذا ایک احتمال تو یہ ہے کہ صاحبِ مزار ان میں سے کوئی بزرگ ہوں۔

دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ آپ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہوں اور مدائن میں آکر مقیم ہوگئے ہوں، لیکن معمولی جستجو سے احقر کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کا کوئی تذکرہ نہیں مل سکا جس سے اس احتمال کی تصدیق یا تکذیب ہوسکے۔

بہرکیف! اس علاقے میں مشہور یہی ہے کہ یہ صحابہ میں سے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار پر

کربلا کا سفر

یہ شہر خاصا بارونق اور شاید کوفہ اور نجف دونوں کے مقابلے میں زیادہ آباد ہے۔ جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا حادثہ شہادت پیش آیا اس وقت یہ ایک لق ودق صحرا تھا۔ اس پورے علاقے کو زمانۂ قدیم میں ''طف'' کہتے تھے اور یہ خاص صحرا جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے کربلا کے نام سے موسوم تھا۔

اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال مشہور ہیں۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ لفظ ''کربلة'' سے ماخوذ ہے جس کے معنیٰ پاؤں کے تلووں کی نرمی کے ہیں، یہ زمین چونکہ نرم تھی اس لئے اس کا نام ''کربلا'' رکھ دیا گیا۔

''کربلا'' عربی زبان میں گندم صاف کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سرزمین میں چونکہ روڑے پتھر نہیں تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس زمین کو باقاعدہ صاف کیا گیا ہے اس لئے اسے ''کربلا'' کہتے ہیں۔

اس کے برعکس..... بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ لفظ ''کربل'' سے نکلا ہے یہ ایک قسم کی گھاس کا نام ہے جو اس صحرا میں بکثرت پائی جاتی ہے اس لئے اس کا نام کربلا مشہور ہو گیا۔ (معجم البلدان للحموی ص ۴۴۵، ج ۴) واللہ اعلم

کربلا پہنچ کر ہم سب سے پہلے اس عمارت پر حاضر ہوئے جس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ یہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کے بارے میں بھی روایتیں بہت مختلف ہیں۔ عام طور سے مشہور یہ ہے کہ آپ کا جسم مبارک تو کربلا ہی میں مدفون ہے، لیکن سر مبارک چونکہ یزید کے پاس دمشق لے جایا گیا تھا، اس لئے وہ یہاں مدفون نہیں۔ پھر سر مبارک کے مزار کے نام سے مختلف شہروں میں بڑی بڑی عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ اگر یہ روایت درست ہو کہ سر مبارک یزید کے پاس شام لے جایا گیا تھا تو اس کا دمشق میں مدفون ہونا تو کچھ سمجھ میں آتا ہے لیکن ایک عظیم الشان مزار قاہرہ میں جامع ازہر کے سامنے بھی بنا ہوا ہے اور یہ پورا محلّہ ''سیدنا الحسین رضی اللہ عنہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

بہر صورت! سر مبارک کے بارے میں تو روایات بہت مختلف ہیں لیکن جسم مبارک کے بارے میں قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کربلا میں مدفون ہوگا۔ اگرچہ اس کی خاص جگہ کا تعین تاریخی اعتبار سے خاصا مشکوک ہے۔ امام ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدّث اور مؤرخ ہیں۔ ان سے کسی نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مزار کی جگہ دریافت کی تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ (تاریخ بغداد للخطیب ص ۱۴۴، ج ۱)

کربلا میں دوسرے مزارات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور صاحبزادے حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ہیں۔ یہاں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اور سانحۂ کربلا کے دلگداز واقعات ایک ایک کر کے نگاہوں کے سامنے آتے رہے۔ اس وقت دریائے فرات یہیں قریب ہی بہتا ہوگا اب یہاں سے کچھ دور چلا گیا ہے۔ خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عالی مقام افراد نے مدینہ طیبہ چھوڑ کر اس دشت کربلا میں جان دینے کو یقیناً کسی دنیا طلبی کی خاطر گوارا نہیں کیا تھا۔ ان کا مقصد رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

علامہ عبدالحق اشبیلی رحمہ اللہ کے مزار پر

اتنا تو احقر کو معلوم تھا کہ بجایہ میں مشہور محدث علامہ عبدالحق اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، علم حدیث کے طلبہ اور اساتذہ کے لئے علامہ عبدالحق اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ محتاج تعارف نہیں، ان کی مشہور کتاب ''الاحکام'' کے حوالے شرح حدیث میں جا بجا ملتے ہیں ، خاص طور پر حافظ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''نصب الرایہ'' میں ان کے بہ کثرت حوالے دیتے ہیں۔ بہر صورت! وہ ایک جلیل القدر محدث اور فقیہ ہیں اور بجایہ آنے کے بعد ان کے مزار پر حاضری کا اشتیاق تھا، لیکن کوئی مناسب رہنما نہیں مل رہا تھا۔

اس وقت بھی احقر کے رہنما سلیم کلال صاحب خود بجایہ کے باشندے نہ ہونے کی بنا پر مزار سے واقف نہ تھے، بالآخر ہم پوچھتے پوچھتے وہاں تک پہنچ ہی گئے۔

باب البنود کسی وقت شہر کی آخری حد تھی، لیکن اب شہر اس سے کافی آگے پہنچ گیا ہے ، چنانچہ باب البنود سے نکلنے کے بعد کافی آگے چل کر ایک گنجان سی سڑک پر ایک چھوٹی سی مسجد تھی، اس مسجد کے اندر علامہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔

مزار کیا ہے؟ ایک چھوٹا سا احاطہ بنا ہوا ہے جس میں قبر کا ابھرا ہوا نشان بھی موجود نہیں۔ یہاں یہ عظیم محدث آرام فرما ہے۔

علامہ عبدالحق اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ ۵۱۰ھ میں اندلس کے مشہور شہر اشبیلیہ میں پیدا ہوئے تھے عمر کا ابتدائی حصہ اندلس میں گزارا لیکن وہاں کے سیاسی انتشار کی بنا پر وہاں

سے ہجرت کر کے بجایہ آ گئے تھے اور اسی کو وطن بنا لیا۔ اس لئے بعض اوقات انہیں عبدالحق البجائی'' بھی کہا جاتا ہے، حافظ ذھبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مردم شناس بزرگ ان کے بارے میں ابنِ ابار رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

كان فقيهاً، حافظا عالما بالحديث و علله ، عارفًا بالرجال، موصوفًا بالخير و الصلاح و الزهد و الورع ، ولزوم السنة والتقلل من الدنيا الخ (سیر اعلام النبلاء ص ۱۹۹، ج ۲۱)

وہ فقیہ اور حافظِ حدیث تھے، حدیث اور اس کی علتوں کے عالم تھے، رجالِ حدیث کو پہچانتے تھے، زہد و تقویٰ، خیر و صلاح اتباع سنت اور دُنیا سے بے رغبتی کے ساتھ متصف تھے۔

بجایہ میں قیام کے دوران وہ جامع مسجد کے خطیب بھی رہے، مدرس بھی، اور کچھ عرصہ کے لئے قاضی بھی، زندگی نظم وضبط کی پابند تھی، علامہ ابن عمیرہ ضبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ وہ جامع مسجد میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد وہیں بیٹھ کر چاشت کے وقت تک طلبہ کو پڑھاتے، پھر چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھتے اور گھر جا کر ظہر تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے۔ ظہر کی نماز کے بعد عدالتی کام کرتے اور اس وقت میں بعض اوقات پڑھاتے بھی تھے، عصر کے بعد لوگوں کی ضروریات پوری کرنے اور خدمت خلق کے لئے گھر سے نکل جاتے۔ (بغیۃ الملتمس للضبی ص ۳۷۸)

یہ تو دن کے معمولات تھے، اور رات کے بارے میں علامہ ابوالعباس غبرینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی رات کے تین حصے کر رکھے تھے ایک تہائی رات پڑھنے میں گزارتے، ایک تہائی عبادت میں اور ایک تہائی سونے میں۔ (عنوان الدرایہ للغبرینی ص ۴۲)

گھر والوں کے لئے بڑے شفیق اور مہربان بھی تھے، اور خوش طبع بھی۔ اکثر اپنی بیٹھک میں فقہاء کے ساتھ بیٹھے ہوتے، اندر سے کوئی کنیز آ کر گھر کے کسی کام کے لئے پیسے مانگتی تو چھوٹی سی چیز کے لئے بھی ضرورت سے زیادہ پیسے دے دیتے۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے کسی نے کہا کہ جتنے پیسے آپ دے رہے ہیں، وہ ان کی مطلوب مقدار سے بہت زائد ہیں، جواب میں آپ نے فرمایا:

لا أجمع على أهل المنزل ثلاث شينات: شيخ، و اشبيلي و شحيح. (عنوان الدرایہ ص ۴۴)

میں اپنے گھر والوں پر تین شین (ش) جمع نہیں کرتا، میں شیخ اور اشبیلی تو ہوں (لہٰذا مجھ میں دو شین موجود ہیں) شحیح (یعنی بخیل) بننا نہیں چاہتا۔

افسوس ہے کہ ان کی تصانیف طبع نہیں ہوئیں ورنہ کتاب ''الاحکام'' کے علاوہ ان کے تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ''الحاوی'' کے نام سے ایک لغت اٹھارہ جلدوں میں لکھی تھی، اس کے علاوہ صحاح ستہ کا مجموعہ ''الجامع الکبیر'' کے نام سے لکھا تھا اور احوالِ آخرت پر ایک کتاب ''العاقبۃ'' کے نام سے تحریر فرمائی تھی۔ نیز ''کتاب التہجد'' ''کتاب الرّقاق'' اور ''اختصار الرّ شاطی'' بھی ان کی تصانیف میں شمار کی گئی ہیں۔

اتنی بات تو علامہ عبدالحق اِشبیلی رحمۃ اللہ علیہ کے تقریباً سبھی تذکرہ نگاروں نے لکھی ہے کہ ان کی وفات حاکمِ وقت کے ظلم وتشدد کے نتیجے میں ہوئی۔ لیکن اس واقعے کی کوئی تفصیل کسی نے بیان نہیں کی مگر ان کے مزار پر ایک عمر رسیدہ مجاور تھا، اس نے بتایا کہ ہمارے آباؤ اجداد سے یہ واقعہ مشہور چلا آیا ہے کہ علامہ عبدالحق اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ کا بجایہ کے حاکم سے کسی مسئلے پر شدید اختلاف ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں اس نے انہیں سزائے موت دی اور ان کو اسی ''باب البنود'' پر سولی دی گئی جس کا ذکر پیچھے آیا ہے، پھر ان کی لاش اس دروازے کے بیرونی حصے میں تین روز تک لٹکتی رہی۔

اس وقت ''باب البنود'' شہر کی آخری حد تھی اور غروب آفتاب کے بعد یہ دروازہ بند کر دیا جاتا تھا، لیکن دروازہ بند کرنے سے پہلے چوکی دار یہ آواز لگایا کرتا تھا کہ ''اگر شہر کا کوئی آدمی دروازے سے باہر ہے تو اندر آجائے دروازہ بند ہو رہا ہے''۔

مذکورہ مجاور کا کہنا تھا کہ جس روز علامہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کو سولی پر لٹکایا گیا، اس

روز شام کو چوکیدار نے حسب معمول یہ آواز لگائی تو جنگل کی طرف سے آواز آئی ''ٹھہرو ابھی عبدالحقؒ شہر سے باہر ہیں''۔ چوکیدار نے اس کو واہمہ سمجھا اور دوبارہ آواز لگائی، تو پھر جواباً ہی آواز سنائی دی اور یہ واقعہ تین مرتبہ ہوا۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

اسی مجاور نے یہ بھی بتایا کہ علامہ عبدالحق اشبیلی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بجایہ کے بچے بچے کی زبان پر یہ جملہ تھا۔

الشیخ عبدالحق ، قتل بغیر حقّ.

وہ شیخ جو حق کا بندہ تھا، حق کے بغیر قتل ہوا۔

یہاں تک کہ اس علاقے میں یہ جملہ ضرب المثل بن گیا۔

الحمدللہ، شیخ کے مزار پر سلام عرض کرنے اور فاتحہ پڑھنے کی توفیق ہوئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اللہ کے اس برگزیدہ بندے نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ تبلیغِ حق، خدمتِ دین اور خدمتِ خلق میں صرف کیا اور حق ہی کی خاطر مظلومیت کی لرزہ خیز موت کو سینے سے لگا کر زندۂ جاوید ہو گئے۔ وہ حاکم جس نے انہیں سولی پر لٹکایا تھا اسے آج کوئی نہیں جانتا، مجھے اس دور کے تذکروں میں اس کا نام تک نہیں مل سکا، لیکن علامہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کا نام زندۂ جاوید ہے اور جب تک دُنیا میں حق کے نام لیوا باقی ہیں، ان پر عقیدت و محبت کے پھول نچھاور کئے جاتے رہیں گے۔ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

حُبِّ دُنیا کا علاج

دُنیا کی محبت کو دل سے نکالنے اور دنیا کی محبت کے مذموم نتائج سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس دُنیا کو حلال طریقے سے حاصل کرو اور حلال طریقے سے خرچ کرو اور جو حلال طریقے سے حاصل ہو... اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ (اصلاحی خطبات ۱۲، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مزار پر

ان کا پورا محلہ ہی ان کے نام پر ''حارۃ الشافعی'' کہلاتا ہے اور یہاں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر بڑی شاندار عمارت بنی ہوئی ہے جس کے ساتھ ایک بڑی مسجد بھی ہے، ہم نے نمازِ مغرب اسی مسجد میں ادا کی۔

اور اس کے بعد مزار پر حاضر ہوئے، ہم جیسے طالب علموں کو دن رات حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اور آپ کی فقہی آراء سے جس قدر واسطہ رہتا ہے، اس کی بنا پر آپ سے عقیدت و محبت اور تعلق خاطر ایک طبعی امر ہے، عرصہ سے آپ کے مزار مبارک پر حاضری کا اشتیاق بھی تھا جو بحمد اللہ آج پورا ہوا۔

مزار کے مواجہہ میں کچھ دیر بیٹھ کر سرور و سکون کا ایک عجیب عالم رہا۔

یہ اُس فقیہِ اُمت کا مزار تھا جس کی رہنمائی اور ہدایت سے کروڑوں مسلمان فیضیاب ہوئے اور ہو رہے ہیں، جن کی فقہ نے حنفی فقہ کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ رواج پایا اور جن کے مقلدین چار دانگ عالم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

آپ یمن کے ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے جو نسبی اعتبار سے تو سادات میں سے تھا لیکن معاشی اعتبار سے غریب تھا، والد ماجد کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اُٹھ چکا تھا، بچپن ہی میں آپ کی والدہ آپ کو مکہ مکرمہ لے آئیں، یہیں آپ پروان چڑھے اور علوم حاصل کیے، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور ان سے بھرپور استفادہ کیا۔

پھر نجران میں آپ کو ایک سرکاری عہدہ ملا، اور وہاں عرصۂ دراز تک پوری دیانت و

امانت کے ساتھ مفوّضہ خدمات انجام دیتے رہے۔

لیکن بڑے لوگوں کے ساتھ آزمائشیں بھی زبردست پیش آتی ہیں، خلیفۂ وقت (ہارون الرّشید) کو یمن کے کچھ علوی النسب افراد کے بارے میں یہ اطلاع ملی کہ وہ مرکز کے خلاف بغاوت کی تیاری کررہے ہیں، نجران کے والی نے دشمنی میں آکر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی یہ افواہ پھیلا دی کہ ان کا علوی افراد کے ساتھ ربط وضبط ہے۔ خلیفہ کو ان پر شُبہ ہوگیا، اور اس نے ان افراد کے ساتھ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی گرفتار کر کے بغداد بلالیا۔

اس وقت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہارون الرشید کے دربار میں خاصا اثر ورسوخ تھا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب ہارون الرشید کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے دفاع میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا کہ وہ مجھے جانتے ہیں، ہارون الرشید نے امام رحمۃ اللہ علیہ سے اُن کے بارے میں معلومات کیں تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ''میں اِنہیں جانتا ہوں، وہ بڑے عالم ہیں اور ان کی طرف جن باتوں کی نسبت کی گئی ہے وہ ان جیسے آدمی سے سرزد نہیں ہوسکتیں، اس پر ہارون الرشید نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ''انہیں اپنے ساتھ لے جایئے، تاکہ میں ان کے بارے میں غور کرسکوں۔''

اس طرح جتنے لوگ بغاوت کے الزام میں یمن سے لائے گئے تھے، ان میں سے صرف حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بچ سکے۔

یہ واقعہ ۱۸۴ھ کا ہے، جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ۳۴ سال تھی۔ اس آزمائش میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں تھیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نجران کے سرکاری عہدے کے کاموں میں مشغول ہوگئے تھے، اس واقعہ کی بدولت انہیں دوبارہ خالص علم کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملا۔ دوسرے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اب تک صرف شناسائی ہی تھی، اب وہ باقاعدہ اُن کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے، اور ان کے

ذریعے اہلِ عراق کا علم اُن کی طرف منتقل ہوا، اور اس طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو اہلِ حجاز اور اہلِ عراق دونوں کے علوم حاصل ہوئے

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی اتنی عزت فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے پر سوار ہو کر خلیفہ کے پاس جا رہے تھے، راستے میں دیکھا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان سے ملنے کے لئے آ رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے سے اُتر گئے۔

اور اپنے غلام سے کہا کہ ''خلیفہ سے جا کر عذر کر دو''۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بھی کہ ''میں پھر کسی وقت آ جاؤں گا'' لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ راضی نہ ہوئے اور انہیں ساتھ لے کر اپنے گھر کی طرف واپس ہو گئے۔

اس طرح تقریباً دو سال بغداد میں رہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کے بعد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پھر مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور نو سال وہاں مقیم رہے، اسی دوران انہوں نے اصولِ فقہ کی تدوین پر سوچنا شروع کیا۔

پھر ۱۹۵ھ میں دوبارہ بغداد تشریف لے گئے اور وہاں اپنی کتاب ''الرسالہ'' تالیف فرمائی اور پھر آخر حیات میں مصر کے حکمران کی دعوت پر مصر تشریف لائے اور بالآخر رجب ۲۰۴ھ میں یہیں پر وفات پائی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو خصوصی مواہب سے نوازا تھا، آپ نے سات سال کی عمر میں پورا قرآنِ مجید حفظ کر لیا تھا، اور دس سال کی عمر میں پوری مؤطا امام مالک یاد کر لی تھی۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۷، ج ۹)

تیز اندازی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، خود فرماتے تھے کہ اگر میں دس تیر ماروں تو دس کے دس ٹھیک نشانے پر لگیں گے۔ قرآنِ کریم پڑھنے کا انداز اس قدر سحر آفریں تھا کہ سننے والوں پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی ہم عصر کا قول نقل

کیا ہے کہ ”جب کبھی ہم رونا چاہتے تو ایک دوسرے سے کہتے کہ آؤ۔
اس مُطّلبی جوان کے پاس چل کر تلاوت کریں، جب ہم اُن کے پاس پہنچتے اور وہ خود سے تلاوت شروع کر دیتے تو لوگ ان کے سامنے گرنے لگتے، روتے روتے ان کی چیخیں نکل جاتیں، اس وقت وہ تلاوت روکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کے ساتھ اعلیٰ درجے کی قوتِ بیان بھی عطا فرمائی تھی، اس لئے اپنے عہد کے بڑے بڑے علماء سے انہوں نے علمی مسائل میں مناظرے فرمائے، بعض مناظروں کا حال خود ”کتاب الام“ میں بھی ذکر فرمایا ہے۔

لیکن اخلاص کا عالم یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں:

ماناظرتُ أحدًا ، فاحببت أن اخطئ

میں نے جس شخص سے بھی کبھی مناظرہ کیا، کبھی میری خواہش یہ نہیں ہوئی کہ میرے مدمقابل کی غلطی ثابت ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں علمِ فقہ اور علمِ حدیث کی بنیاد ہیں، اور علمِ اُصول کا تو انہیں بانی کہا جاتا ہے، لیکن فرماتے ہیں کہ:

وددت أن الناس لو تعلّموا هذه الكتب، ولم ينسبوها الىّ

(آداب الشافعی ومناقبہ، لابن ابی حاتم ص:۳۲۶)

میری خواہش یہ ہے کہ لوگ ان کتابوں کو پڑھ کر ان سے نفع اُٹھائیں، لیکن انہیں میری طرف منسوب نہ کریں۔

جس شخص کے اخلاص کا یہ عالم ہو، اس کے علم میں برکت کیوں نہ آئے؟ اور اس کا علم چار دانگ عالم میں کیوں نہ پھیلے؟ چنانچہ بعض حضرات نے انہیں تیسری صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ (تہذیب التہذیب، ص:۲۷، ج:۹)

حضرت لیثؒ بن سعدؒ رحمہ اللہ کے مزار پر

مسجد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے احاطے ہی میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے ذرا ہٹ کر حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کا مزار واقع ہے۔

حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بھی اونچے درجے کے ائمہ مجتہدین میں سے ہیں، یہاں تک کہ ان کے بارے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ:

اللیث أفقه من مالک، الا ان اصحابه لم یقوموا به

لیث بن سعد رحمہ اللہ امام مالک سے زیادہ بڑے فقیہ ہیں، البتہ ان کے شاگردوں نے ان (کی فقہ کو محفوظ رکھنے) کا اہتمام نہیں کیا۔ (تہذیب التہذیب ص ۴۶۲، ج ۸)

روایت حدیث میں بھی امام تھے اور قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ان کے کسی شاگرد نے اُن سے کہا کہ ''ہم بسا اوقات آپ کی زبان سے ایسی احادیث سنتے ہیں جو آپ کی کتابوں میں موجود نہیں ہیں۔'' اس پر حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے اپنے سینے کی تمام حدیثیں اپنی کتابوں میں لکھ لی ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ جتنی احادیث میرے سینے میں محفوظ ہیں، اگر میں وہ سب لکھنا چاہوں تو یہ سواری ان لکھی ہوئی کتابوں کیلئے کافی نہ ہو۔ (تہذیب التہذیب ص: ۲۸، ج: ۹)

اللہ تعالیٰ نے علم و فضل کے ساتھ مال و دولت سے بھی نوازا تھا، کہا جاتا ہے کہ ان کی آمدنی بیس ہزار سے پچیس ہزار دینار سالانہ تک تھی۔

لیکن فیاضی، سخاوت اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا عالم یہ تھا کہ ساری عمر کبھی ان پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوئی، بلکہ انؒ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ سال کے آخر میں بعض اوقات مقروض ہو جاتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی ص:۱۵۲، ج:۸)

قتیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ روزانہ تین سو مسکینوں پر صدقہ کیا کرتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء للذہبی، ص:۱۵۸، ج:۸)

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ پھل خریدے، خریدنے کے بعد انہیں اس کی قیمت گراں محسوس ہوئی اس لئے وہ واپس کرنے کے لئے آئے۔ حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے پھل واپس لے کر قیمت لوٹا دی، پھر جب وہ جانے لگے تو اپنے آدمیوں سے کہا کہ انہیں پچاس دینار مزید دے دو۔

اُن کے صاحبزادے نے وجہ پوچھی تو فرمایا:

اَللّٰھُمَّ غَفْرًا، انّھم قد کانوا امّلوا فیھا أملا،

فاحببت أن أعوّضھم من أملھم بھذا.

اللہ مجھے معاف فرمائے، ان لوگوں نے پھلوں کی خریداری میں ایک اُمید قائم کی تھی (جو پوری نہیں ہوئی) اسلئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی اُمید کے بدلے انہیں کوئی معاوضہ دوں۔

ایک مرتبہ ایک عورت آئی اور کہا کہ میرا بیٹا بیمار ہے، اس کے لئے تھوڑا سا شہد درکار ہے، حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک مشک بھر کر شہد دلوا دیا جس میں ۱۲۰ رطل (تقریباً ۶۰ سیر) شہد تھا، وہ عورت انکار کرتی رہی کہ مجھے تھوڑا سا شہد چاہیے تھا لیکن حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نہ مانے اور مشک اسکے گھر پہنچا دی۔

آپ کی قدر و منزلت عوام و خواص میں اتنی زیادہ تھی کہ حکامِ وقت بھی آپ کے سامنے جھکتے اور آپ کے مشوروں پر عمل کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ خلیفہ منصور نے آپ کو مصر کی گورنری کی پیشکش کی لیکن آپ نے عذر فرما دیا۔

آپ روزانہ چار مجلسیں منعقد فرماتے تھے، ایک مجلس امراء و حکام کے لئے ہوتی

جس میں وہ لوگ آ کر آپ سے اُمورِ سلطنت میں مشورہ کرتے، دوسری مجلس حدیث کے طلباء کے لئے ہوتی، تیسری مجلس فتویٰ کے لئے ہوتی جس میں لوگ آ کر آپ سے مسئلے پوچھتے، چوتھی مجلس عوام کی ضروریات میں ان کی مدد کے لئے ہوتی، لوگ آ کر اپنی حاجتیں بیان کرتے اور آپ انہیں پورا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔

حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۵ شعبان ۱۷۵ھ کو ہوئی۔

نماز جنازہ میں اس قدر ازدھام ہوا کہ خالد بن عبدالسلام کہتے ہیں "میں نے ایسا جنازہ کسی کا نہیں دیکھا"۔ (سیر اعلام النبلاء ص: ۱۵۰، ج: ۸)

الحمد للہ! اس جلیل القدر محدث، فقیہ اور ولی اللہ کے مزار پر حاضری اور سلام عرض کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جن کو بعض حضرات نے ابدال میں شمار کیا ہے۔

دین کا عالمی پیغام

دین کی طرف ہر مسلمان کیلئے یہ پیغام ہے کہ دُنیا میں رہو... دُنیا کو برتو... دُنیا کو استعمال کرو... لیکن فرق صرف زاویہ نگاہ کا ہے... اگر تم دنیا کو اس لئے استعمال کر رہے ہو... کہ آخرت کی منزل کیلئے ایک سیڑھی ہے... تو یہ دُنیا تمہارے لئے خیر ہے... اور یہ اللہ کا فضل ہے... جس پر اللہ کا شکر ادا کرو... اور اگر دُنیا کو اس نیت سے استعمال کر رہے ہو... کہ یہ تمہاری آخری منزل ہے... اور بس اس کی بھلائی بھلائی ہے... اور اس کی اچھائی اچھائی ہے... اور اس سے آگے کوئی چیز نہیں... تو پھر یہ دُنیا تمہارے لئے ہلاکت کا سامان ہے۔ (اصلاحی خطبات ۳، جواہرات شیخ الاسلام)

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ رحمہ اللہ کے مزار پر

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات کے آس پاس کا علاقہ ''قرافہ'' کہلاتا تھا اور یہیں حضرت شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، یہ نویں صدی ہجری کے مشہور محدث، فقیہ اور صوفی بزرگ تھے، جنہیں اپنی صدی کا مجدد بھی کہا گیا ہے۔

یہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، اور علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالوہاب شرانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات کے استاذ، اور ان شخصیتوں میں سے ہیں جن پر اہل مصر بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔

انہوں نے مصر میں انتہائی فقر و فاقہ کی حالت میں تعلیم حاصل کی، خود فرماتے ہیں کہ میں جامع ازہر میں علم حاصل کرتا تھا، بعض اوقات فاقے کی شدت کی بنا پر نوبت یہاں تک پہنچی کہ مجھے کھانے کو کچھ نہ مل سکا تو میں نے وضو خانے کے قریب پڑے ہوئے تربوز کے چھلکے اٹھائے اور انہیں اچھی طرح دھویا، اور انہیں کھا کر اپنی بھوک مٹائی۔ بعد میں ایک ولی اللہ نے جو ایک چکی پر کام کرتے تھے میری دیکھ بھال شروع کردی، وہ مجھے کھانے پینے کی ضروریات مہیا کردیا کرتے تھے۔

اور اسی زمانے میں انہوں نے مجھے بشارت بھی دی تھی کہ تم ان شاء اللہ بہت دن زندہ رہو گے، اور شیخ الاسلام بنو گے، اور تمہارے شاگرد بھی تمہاری زندگی ہی میں شیخ

الاسلام کے منصب پر فائز ہوں گے۔ (الکواکب السائرۃ للغزی ص:۱۹۶، ۱۹۷، ج:۱)

اللہ تعالیٰ نے بعد میں آپ کو واقعۃً بڑا عظیم مرتبہ عطا فرمایا، خدمتِ دین کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا، جس میں شیخ الاسلام کا حصہ نہ ہو، مال و دولت کا بھی یہ عالم ہوا کہ تین ہزار درہم یومیہ آمدنی ہوتی تھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے ساتھ جو مدرسہ تھا اس میں تدریس کا منصب اس دور میں علمی اعتبار سے سب سے بڑا منصب سمجھا جاتا تھا۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ مدتِ دراز تک اسی منصب پر فائز رہے۔ اس زمانے میں مصر کا حکمران ملک اشرف قاتیبائے تھا، وہ آپ کا بہت معتقد تھا، اس نے آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا۔

آپ نے شروع میں انکار کر دیا، لیکن قاتیبائے نے اصرار کیا، یہاں تک کہ ایک مرتبہ اُس نے کہا کہ ''اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے سامنے پیدل چل کر آپ کے خچر کو ہنکاتا ہوا آپ کے گھر تک لے جایا کروں۔'' بالآخر شدید اصرار کے بعد آپ نے یہ منصب قبول فرمالیا، اور عرصۂ دراز تک قضاء کی خدمت انجام دی۔

اس دوران بھی آپ قاتیبائے پر جلوت و خلوت میں تنقیدیں فرماتے، خطبہ جمعہ میں اس کی موجودگی میں اس پر نکیر فرماتے، خود فرماتے ہیں کہ ''بعض اوقات خطبے میں میری تنقید اتنی سخت ہو جاتی کہ مجھے خیال ہوتا کہ شاید اب قاتیبائے مجھ سے بات نہیں کرے گا، لیکن نماز کے بعد سب سے پہلے وہ مجھ سے ملتا، میرے ہاتھ پر بوسہ دیتا اور کہتا ''جزاک اللہ خیرًا'' ایک روز میں نے اسے بہت سخت باتیں کیں، یہاں تک کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اس پر میں نے اُس سے کہا:

واللّٰہ یا مولانا انما أفعل ذلک معک شفقة علیک، وسوف تشکرنی عند ربک ، وانی واللّٰہ لا أحب أن یکون جسمک هٰذا فحمة من فحم النار (الطبقات الکبریٰ للشعرانی ص:۱۱۲، ج:۲)

''جنابِ والا! خدا کی قسم میں آپ کے ساتھ یہ معاملہ آپ پر شفقت کی بنا پر کرتا

ہوں، جب آپ اپنے پروردگار کے پاس پہنچیں گے تو میرا شکر کریں گے، اس لئے کہ خدا کی قسم! مجھے یہ بات پسند نہیں کہ آپ کا یہ جسم جہنم کا کوئلہ بنے"۔

آخر میں نابینا ہونے کی بناء پر آپ قضاء کے منصب سے معزول ہو گئے، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آخری زمانے میں بادشاہ آپ سے ناراض ہو گیا تھا، اس لئے معزول ہوئے۔ معزولی کے بعد وہ قضا کا منصب قبول کرنے پر افسوس کا اظہار فرمایا کرتے تھے، آپ کے شاگرد شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "قضاء کا منصب قبول کرنا میری غلطی تھی، اس لئے کہ میں پہلے لوگوں کی نگاہوں سے چھپا ہوا تھا، اس کی وجہ سے لوگوں میں شہرت ہو گئی"۔

اس پر میں نے عرض کیا کہ "حضرت! میں نے بعض اولیاء سے سنا ہے کہ شیخ کے منصب قضاء نے ان کے حالات پر پردہ ڈال دیا ہے، لوگوں میں اُن کے زہد و ورع اور مکاشفات کی شہرت ہونے لگی تھی"۔ اس پر شیخ نے فرمایا: الحمد للہ! بیٹے تم نے میرا بوجھ ہلکا کر دیا"۔ (الطبقات الکبریٰ للشعرانی، ص:۱۱۲، ج:۲)

آپ نفلی صدقات کا بڑا اہتمام فرماتے تھے۔ نہ جانے کتنے حاجت مند افراد کے روزینے مقرر تھے، لیکن صدقہ میں ہمیشہ اخفاء کا اہتمام فرماتے۔

اگر حاجت مند افراد میں سے کوئی ایسے وقت آجاتا جب اور لوگ بھی بیٹھے ہوتے تو اس سے فرما دیتے کہ "پھر آنا" یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور یہ تھا کہ آپ صدقات کم دیتے ہیں۔ (الکواکب السائرۃ ص:۲۰۲، ج:۱)

حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی۔

آخر میں نابینا بھی ہو گئے، لیکن آخر وقت تک درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور ذکر و عبادت کا سلسلہ پوری آب و تاب کے ساتھ جاری رہا۔

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ان کی مدح میں فرماتے ہیں:

أحد أركان الطريقين ، الفقه و التصوف ، وقد خدمته عشرين

سنة، فما رأيته قط فی غفلة ، ولا اشتغال بما لا يعنی ، لا ليلا ولانهارا، وكان رضی الله عنه مع كبر سنّه يصلی سنن الفرائض قائما، و يقول: لا أعوّد نفسی الكسل (الطبقات الکبری ص:۱۱۱، ج:۲)

وہ فقہ اور تصوف دونوں طریقوں کے ستون تھے، میں نے بیس سال آپ کی خدمت کی۔ اس پورے عرصے میں میں نے کبھی آپ کو غفلت میں نہیں دیکھا، نہ کسی فضول کام میں مشغول پایا، نہ دن میں، نہ رات میں۔

اور آپ بڑھاپے کے باوجود فرائض کی سنتیں ہمیشہ کھڑے ہو کر ادا کرتے، اور آپ فرماتے کہ میں اپنے نفس کو سُستی کا عادی نہیں بنانا چاہتا۔

کوئی شخص آپ کے پاس آ کر لمبی بات کرتا تو فرماتے

''جلدی کرو! تم نے ایک زمانہ ضائع کر دیا'' اور علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ہی فرماتے ہیں کہ میں آپ سے کوئی کتاب پڑھتا تو بعض اوقات کتاب کا کوئی لفظ درست کرنے کے لئے بیچ میں ذرا سا وقفہ ہو جاتا، آپ اس وقفے کو بھی ضائع نہ فرماتے، اور اس وقفہ میں آہستہ آہستہ ''اللہ اللہ'' کے ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ (ایضا)

آپ نے مختلف علوم وفنون میں چالیس سے زائد عظیم الشان تالیفات چھوڑی ہیں۔ جن میں فقہ شافعی کی ''أسنی المطالب'' اور ''شرح البہجہ'' بہت مشہور ہوئیں اور آج تک فقہ شافعی کا مستند ماَخذ شمار ہوتی ہیں۔ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معاصرین کی تعریف میں بہت محتاط بزرگ ہیں لیکن آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

''**بيننا أنسة زائدة ، و محبة من الجانبين تامة، ولا زالت المسرات و اصلةً الی ، من قبله بالدعاء و الثناء وان كان ذلک دأبه مع عموم الناس ، فحظی منه أوفر**'' (الضوء اللامع للسخاویؒ، ص:۲۳۷ ج:۳)

ہمارے درمیان جانبین سے بہت محبت اور اُنس ہے، ان کی طرف سے مجھے مسلسل دعا اور تعریف کے کلمات سے مسرت حاصل ہوتی رہتی ہے، اگرچہ ان کا سبھی

لوگوں سے معاملہ ایسا ہی ہے۔ لیکن میرا حصہ ان کے یہاں بہت زیادہ ہے۔

علامہ ابن العماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا حلقہ تلامذہ اس قدر وسیع تھا کہ ان کے عہد میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جس نے آپ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ تلمذ کا شرف حاصل نہ کیا ہو۔

بلکہ آپ کی سند چونکہ اپنے زمانے میں سب سے زیادہ عالی تھی، اس لئے لوگ کوشش کر کے آپ سے تلمذ حاصل کرتے تھے، بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے زبانی بلاواسطہ علم حاصل کیا، پھر ایسے لوگوں سے بھی علم حاصل کیا جن کے اور شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان سات واسطے تھے، یہ خصوصیت کسی اور عالم کو حاصل نہیں ہوئی۔ (شذرات الذہب لابن العماد ص: ۱۳۵، ج: ۸)

باہمی صلح کرانے کی برکت وفضیلت

جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر دو مسلمان بھائیوں کے درمیان صلح کرانے کے ارادے سے نکلتا ہے... تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایسی باتیں ڈال دیتے ہیں... کہ اس سے ایسی بات کہو... جس سے اس کے دل سے دوسرے کی نفرت دور ہو جائے... ایسی بات نہ کہو... کہ ان کے درمیان نفرت کی آگ تو پہلے سے لگی ہوئی ہے... اور اب آپ نے جا کر یہ بات سنادی... جس نے آگ پر تیل کا کام کیا... اور جس کے نتیجے میں نفرت دور ہونے کے بجائے نفرت کی آگ اور بھڑک گئی... یہ انتہائی درجے کی رذالت کا کام ہے...

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی ناپسند ہے۔ (اصلاحی خطبات ۶، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت عُقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مشہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی، اور اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ ہی میں مقیم ہو گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں حصہ لیا۔ آپ کا شمار فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہے۔

خاص طور پر میراث کے علم میں مشہور تھے، اور قرآنِ کریم کی تلاوت انتہائی دلکش انداز میں فرمایا کرتے، آپ نے اپنے ہاتھ سے قرآنِ کریم کا ایک نسخہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ

یہ نسخہ اب تک مصر میں موجود ہے، اور اس میں سورتوں کی ترتیب مصحفِ عثمانی کی ترتیب سے مختلف ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہوا ہے "وکتبه عقبة بن عامر بيده"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ جہاد میں مشغول رہے، دمشق کی فتح میں بھی شامل تھے، بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فتح دمشق کی خوشخبری انہوں نے ہی سنائی تھی، مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف سے حصہ لیا۔ بالآخر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو مصر کا گورنر بنا دیا تھا۔ (تہذیب التہذیب)

آپ کے بہت زیادہ حالاتِ زندگی کتابوں میں نہیں ملتے۔ البتہ آپ سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ آپ کا مزار جس جگہ واقع ہے یہ "جبل المقطم" کا ایک حصہ

تھی، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے قبرستان بنانے کا حکم دیا تھا۔

چنانچہ کتابوں میں مذکور ہے کہ یہاں بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مدفون ہیں۔ لیکن اِن حضرات کے مزارات کا یا تو نام ونشان باقی نہیں رہا، یا انہیں جاننے والے ختم ہو گئے۔

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری اور سلام عرض کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

انسان بننا فرض ہے

انسان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ آدمی بنے... مسلمان بننا اور صوفی بننا تو بعد کی بات ہے۔ پہلا کام یہ ہے کہ انسان آدمی بن جائے اور آدمیت کا حق یہ ہے کہ اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ دے اس میں مسلمان اور غیر مسلم سب برابر ہیں... ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہے اس کو سلام کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ ایک طرف تو تمہارے سلام کی وجہ سے اس کی تلاوت میں رخنہ ہوگا اور دوسری طرف اس کو تلاوت چھوڑ کر تمہاری طرف مشغول ہونے میں تکلیف ہوگی اب ایسے وقت کے اندر سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے میں داخل ہے۔ اسی طرح اگر لوگ مسجد میں بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوں... ان کو مسجد میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا جائز نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کا رشتہ جڑا ہوا ہے اس کی زبان پر ذکر جاری ہے تمہارے سلام کی وجہ سے اس کے ذکر میں خلل واقع ہوگا اور اس کو توجہ ہٹانے میں تکلیف بھی ہوگی۔ (اصلاحی خطبات ۸، جواہراتِ شیخ الاسلام)

حضرت حافظ بلقینی رحمہ اللہ کے مزار پر

علامہ عمر بن رسلان البلقینی رحمۃ اللہ علیہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے جن اساتذہ سے خاص تعلق رکھا، اور بہت استفادہ کیا، ان میں حافظ زین الدین عراقی، علامہ بلقینی اور حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہم کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔ علامہ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ یوں تو حدیث میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے، لیکن ان کا خصوصی موضوع فقہ تھا، اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ میں ان سے خصوصی استفادہ کیا۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے زمزم پیتے وقت یہ دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے حدیث میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا اور فقہ میں علامہ بلقینی رحمہ اللہ کا مرتبہ عطا فرمادے''۔ (حسن المحاضرۃ)

علامہ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ اصلاً شام کے باشندے تھے، لیکن بچپن ہی میں مصر آ گئے تھے، اور یہاں کی سکونت اختیار کر لی تھی، پھر ایک عرصہ تک دمشق میں قاضی بھی رہے، لیکن بعد میں پھر مصر لوٹ آئے۔ آخر تک یہیں مقیم رہے۔ حافظے کا یہ عالم تھا کہ جب وہ مدرسہ کاملیہ میں داخل ہوئے تو مدرسے کے مہتمم سے رہائش کے لئے ایک کمرے کی فرمائش کی، مہتمم نے انکار کر دیا۔ لیکن بعد میں ایک روز ایک شاعر آیا۔

اور اس نے انہی مہتمم صاحب کی تعریف میں ایک طویل قصیدہ سنایا، جب شاعر قصیدہ ختم کر چکا تو علامہ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ''مجھے یہ قصیدہ یاد ہو گیا ہے''، مہتمم صاحب نے کہا کہ اگر تم قصیدہ زبانی سنا دو تو میں تمہیں کمرہ دے دوں گا، انہوں نے قصیدہ از بر سنا دیا، اور اس طرح انہیں کمرہ مل گیا۔'' (الضوء اللامع للسخاوی ص: ۸۶، ج ۶)

عصر سے لے کر مغرب تک روزانہ فتویٰ لکھنے کا معمول تھا، اور دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس پورے عرصے میں قلم برداشتہ لکھتے چلے جاتے تھے۔ البتہ جس کسی فتویٰ میں ذرا بھی شبہ ہوتا، اسے کتابوں کی مراجعت اور مطالعہ کے انتظار میں روک لیتے، اور جب تک پوری طرح شرح صدر نہ ہو جاتا، جواب نہ لکھتے، خواہ اس میں کتنی ہی دیر ہو جاتی۔

درس و تدریس میں آپ کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ علامہ برہان حلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں ان کے ''مختصر صحیح مسلم'' کے درس میں بارہا حاضر ہوا۔ اس حلقے میں چاروں مذاہب کے فقہاء شریک ہوتے تھے، انہوں نے ایک حدیث پر صبح سویرے بیان شروع کیا تو ظہر کے قریب تک اُسی ایک حدیث کا درس جاری رہا۔

لیکن آپ کا علم تصنیف کے ذریعے زیادہ نہ پھیل سکا، جس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ کوئی کتاب لکھنا شروع کرتے تو تبحر علمی کی بنا پر چھوٹی سے چھوٹی بات کی بہت تفصیل فرماتے، نتیجہ یہ کہ تصنیف مکمل نہ ہو پاتی، پھر دوسری شروع کر دیتے۔

مثلاً صحیح بخاری کی شرح شروع کی تو صرف بیس حدیثوں میں دو جلدیں ہو گئیں، اس لئے ان کی تصانیف زیادہ نہ ہو سکیں۔ (الضوء اللامع للسخاوی ص: ۹۰، ج ۶)

آپ کو بعض حضرات نے نویں صدی کا مجدد بھی قرار دیا ہے، آپ کی وفات ۸۰۵ھ میں ہوئی، اس وقت آپ کے جلیل القدر شاگرد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ حج کو گئے ہوئے تھے، واپسی پر ان کی وفات کی اطلاع ہوئی تو بہت غمگین ہوئے، اور ان کا بڑا پُر درد مرثیہ کہا، جس کا مطلع یہ ہے:

یا عین جودی لفقد البحر بالمطر
واذری الدموع ولا تبقی ولا تذری

(حسن المحاضرۃ للسیوطی ص: ۱۵۵ ج ۱)

حضرت بلقینی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری اور سلام عرض کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ)

حضرت علامہ عینیؒ رحمہ اللہ کے مزار پر

جامع ازہر کی پشت میں ایک چھوٹی سی گلی ہے۔ اس گلی میں ایک مسجد کے پاس سے گزرے تو ڈاکٹر شافعی نے بتایا کہ یہ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد ہے، اور اسی میں ان کا مزار بھی واقع ہے۔

ہم جیسے طالب علموں کے لئے یہاں کچھ دیر رکنے کے لئے یہ کشش کم نہ تھی کہ یہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا محلہ، ان کی مسجد، ان کا مدرسہ اور ان کا مزار تھا۔

وہی علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ جن کے احسانات سے اُمت مسلمہ، بالخصوص حنفی علماء کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ ان کی شرح بخاری، شرح ہدایہ اور شرح کنز، فقہ حنفی کا بہت بڑا ماخذ شمار ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ہر علم وفن میں ان کی تصانیف اتنی زیادہ ہیں کہ حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مردم شناس (اور علماء کی تعریف میں بہت محتاط) بزرگ بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ میری معلومات میں ہمارے شیخ (یعنی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ) کے بعد علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کثیر التصانیف بزرگ کوئی اور نہیں۔

انہوں نے جامع الازہر کے قریب ہی اپنی مسجد اور مدرسہ اس لئے بنایا تھا کہ وہ جامع الازہر میں نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہ سمجھتے تھے، کیونکہ اسے ایک تبرائی رافضی نے وقف کیا تھا۔ (الضوء اللامع للسخاوی، ص:۱۳۳، ج:۱۰)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے علم وفضل، حافظے اور قوتِ تحریر کا ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا جو خال خال ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ سرعتِ تحریر کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ پوری مختصر القدوری ایک رات میں نقل کر دی۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان معاصرانہ چشمک مشہور و معروف ہے۔ اگر چہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمر میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے بارہ سال بڑے تھے اور حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے بعض احادیث بھی پڑھی ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی وہ ایک دوسرے کے معاصر ہی شمار ہوتے تھے۔

حافظ رحمۃ اللہ علیہ شافعی تھے، اور علامہ عینی حنفی، وہ بھی قاضی رہے، اور یہ بھی۔ انہوں نے بھی بخاری شریف کی شرح لکھی، اور انہوں نے بھی۔

اس لئے دونوں کے درمیان لطیف علمی چوٹیں چلتی رہتی تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح پہلے لکھنی شروع کی تھی، اور وہ اپنے شاگردوں کو املاء بھی کراتے جاتے تھے، ان شاگردوں میں سے ایک علامہ برہان الدین ابن خضر کا تعلق علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تھا۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے خواہش کی کہ وہ اپنی لکھی ہوئی کاپیاں ان کو مستعار دے دیا کریں۔

علامہ ابن خضر رحمۃ اللہ علیہ نے حافظ رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کو شرح کے حصے مستعار دینے شروع کر دیئے اور اس طرح علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح کی تالیف کے وقت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی شرح کو سامنے رکھا اور جا بجا اس پر تنقید بھی فرمائی۔ بعد میں حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے عینی رحمۃ اللہ علیہ کے اعتراضات کے جواب میں مستقل دو کتابیں لکھیں۔

دونوں کی لطیف چوٹوں کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت کے حکمران ''الملک المؤید'' کی سیرت پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل قصیدہ کہا تھا، جس میں اس کی بنائی ہوئی جامع مسجد کی بھی تعریف تھی۔

اتفاق سے کچھ دن بعد اس مسجد کا مینارہ جھک کر گرنے کے قریب ہو گیا، اس پر حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ نے پرچے پر دو شعر لکھ کر بادشاہ کے پاس بھیج دیئے:

لجامع مولانا المؤیّد رونق منارته تزهو علی الفخر و الزّین

تقول، و قدمالت، علیّ ترفقوا فلیس علی حسنی أضرّ من العین

(یعنی! جناب مؤید کی جامع مسجد بڑی بارونق ہے، اور اس کا مینارہ فخر و زینت کی وجہ سے بڑا خوشنما، لیکن جب وہ جھکا تو اُس نے کہا کہ: ''مجھ پر رحم کرو، کیونکہ میرے حسن کے لئے ''عین'' (چشم بد) سے زیادہ نقصان دہ کوئی چیز نہیں)۔

اس شعر میں لطف یہ ہے کہ اس میں ''عین'' کو ''عینی'' پڑھا جاتا ہے، جس سے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ پر تعریض ہوتی ہے۔ ملک مؤید کو یہ رقعہ ملا تو اُس نے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیج دیا، اس پر علامہ عینیؒ نے دو شعر لکھ کر واپس بھیجے:

منارۃ کعروس الحسن قد جلیت وھدمھا بقضاء اللّٰہ و القدر

قالوا أصیبت بعین، قلت ذا خطاء وانما ھدمھا من خیبۃ الحجر

جی یہ مینارہ عروس حسن کی طرح درخشاں ہے، اور اس کا گرنا محض اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کی وجہ سے ہوا ہے، لوگ کہنے لگے کہ اسے نظر لگ گئی، میں نے کہا: یہ غلط ہے، دراصل وہ اپنے ''حجر'' (پتھر) کے فساد کی بنا پر گرا ہے۔

شریعت کی لطافت

حکم ہے کہ جب تم کسی مجلس میں شرکت کیلئے جاؤ اور وہاں پر بات شروع ہو چکی ہو تو وہاں پر سلام کے بغیر بیٹھ جاؤ اس وقت سلام کرنا زبان سے تکلیف پہنچانے کے مترادف ہوگا اس سے اندازہ لگایئے کہ شریعت اس بارے میں کتنی حساس ہے کہ دوسرے شخص کو ہماری ذات سے ادنیٰ تکلیف نہ پہنچے۔ (اِصلاحی خطبات ۸)

حضرت علّامہ دَردِیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد سے ذرا آگے بڑھے تو وہاں مشہور مالکی فقیہ علامہ احمد الدردیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار تھا، یہ وہی بزرگ ہیں جن کی مختصر خلیل کی شرح کواب فقہ مالکی کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہے۔

یہ بارہویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، جنہوں نے جامع الازہر میں تعلیم حاصل کی، اور فقہ وتصوف کے امام سمجھے گئے۔

یہاں تک کہ ان کو "مالک الصغیر" (چھوٹے امام مالک رحمہ اللہ) کہا جانے لگا۔

اس وقت مغرب (مراکش) کا بادشاہ علماءِ ازہر کو ہدیہ بھیجا کرتا تھا، ایک مرتبہ (۱۱۹۸ھ) میں کچھ ہدیہ علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی بھیجا۔

اتفاق سے اسی سال بادشاہ کا بیٹا حج کو گیا تھا، اور واپسی میں جب مصر پہنچا تو اس کا سفر خرچ ختم ہو چکا تھا، علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے پاس آئی ہوئی ہدیہ کی رقم ان کو بھجوادی۔

آئندہ سال بادشاہ نے انہیں دس گنا زائد ہدیہ بھیجا، شیخ نے اس رقم سے حج کیا، اور باقی ماندہ رقم سے اپنی مسجد اور خانقاہ تعمیر کرائی، اور آخر عمر تک اسی میں تدریس اور تصنیفی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں تک کہ ۱۲۰۱ھ میں وفات پائی۔

علامہ دردیر رحمہ اللہ کے مزار پر حاضری کے بعد ہم نے ہوٹل واپس آکر کچھ دیر آرام کیا۔

حضرت یُوشع علیہ السلام کے مزار پر

عمان شہر سے نکلنے کے بعد ہم سب سے پہلے ایک انتہائی خوبصورت وادی سے ہوتے ہوئے ایک پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے جو اس علاقے میں سب سے بلند چوٹی نظر آتی تھی، اور وہاں سے دور تک پھیلی ہوئی سبز پوش وادیاں بڑی خوبصورت معلوم ہو رہی تھیں۔ پہاڑ کے کنارے پر ایک مسجد بنی ہوئی تھی۔

ملک افضل صاحب نے بتایا کہ حضرت یوشع علیہ السلام کا مزار اسی مسجد کے ایک کمرے میں واقع ہے۔ ہم مسجد میں داخل ہوئے تو اس کے ایک کمرے میں نہایت طویل قبر بنی ہوئی تھی، اس کی لمبائی بارہ سے پندرہ گز کے درمیان ہوگی۔ اِسی کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرت یوشع علیہ السلام کا مزار مبارک ہے۔

حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادمِ خاص تھے، ان کا اسم گرامی تو اگرچہ قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے لیکن ان کا نام لئے بغیر ان کے متعدد واقعات قرآنِ کریم میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو عمالقہ سے جہاد کرنے پر آمادہ کرنا چاہا اور پوری قوم نے انتہائی سرکشی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس دعوت کو رد کر دیا تو حضرت یوشع علیہ السلام پہلے شخص تھے جنہوں نے بنی اسرائیل کو ہمت دلانے کی کوشش کی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا جو واقعہ سورۃ الکہف میں بیان ہوا ہے، اس میں جو نوجوان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

ایک صحیح حدیث کے مطابق یہی حضرت یوشع علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ

السلام کی وفات کے بعد ان کو نبوت عطا فرمائی گئی، اور بنی اسرائیل کی سربراہی بھی انہی کو عطاء ہوئی، اور فلسطین کے عمالقہ سے جہاد کا جو مشن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ مبارکہ میں تشنۂ تکمیل رہ گیا تھا وہ آپ ہی کے ہاتھوں پورا ہوا۔

آپ نے بنی اسرائیل کو لے کر فلسطین پر قابض جابر و ظالم قوم عمالقہ سے جہاد کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح عطاء فرمائی اور آپ ارضِ مقدس کے بڑے حصے پر قابض ہو گئے۔ قرآنِ کریم نے اس واقعہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

اب اس بات کی سو فیصد تحقیق تو قریب قریب ناممکن ہے کہ یہ واقعۂ حضرت یوشع علیہ السلام کی قبر ہے یا نہیں؟ البتہ یہ تمام علاقہ اِسی ارضِ مقدس کا حصہ ہے جسے حضرت یوشع علیہ السلام نے فتح فرمایا تھا، اس لئے یہ بات جو یہاں کے لوگوں میں مشہور چلی آتی ہے، کچھ بعید بھی نہیں۔ قبر کی غیر معمولی لمبائی ہمارے لئے حیران کن تھی۔

لیکن بعد میں اُردن اور شام کے اندر جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے مزارات دیکھے، وہاں بھی یہی صورت نظر آئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کسی مقدس شخصیت کی تعظیم کے خیال سے اس کی قبر بہت لمبی بنائی جاتی تھی۔ واللہ اعلم

بہر صورت! ایک جلیل القدر پیغمبر کے مزار پر حاضری اور سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، احقر کے لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے بعد کسی پیغمبر کے مزار پر حاضری کا یہ پہلا اتفاق تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار پر

وادیٔ شعیب میں

یہ ایک انتہائی خوبصورت وادی ہے، یہاں تک پہنچنے کے لئے کئی پہاڑی راستے طے کرنے پڑتے ہیں، سڑک ایک سرسبز پہاڑ کا طواف کرتی ہوئی چوٹی تک پہنچتی ہے، اس سڑک کے دونوں اطراف انجیر اور زیتون کے خوشنما درختوں کی قطاریں سڑک پر سایہ کئے ہوئے ہیں، اور دھوپ چھن چھن کر سڑک تک پہنچتی ہے۔ بالکل اوپر پہنچنے کے بعد یہ وادی شروع ہوتی ہے۔ اِسی وادی میں حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار ہے۔

جس جگہ یہ مزار مبارک واقع ہے، وہ آج کل ایک فوجی مرکز کے طور پر استعمال ہو رہا ہے اور ممنوعہ علاقوں میں شمار ہوتا ہے، لیکن ملک افضل صاحب خصوصی طور پر اجازت لے کر ہمیں اندر لے گئے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ہم دائیں جانب مڑے تو ایک چھوٹی سی مسجد نظر آئی، اس مسجد کے اندر حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار ہے۔

یہاں حاضر ہو کر سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ قبر کی لمبائی یہاں بھی حضرت یوشع علیہ السلام کے مزار کی طرح غیر معمولی تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت سے پہلے مصر سے روپوش ہو کر آپ علیہ السلام ہی کے گھر میں پناہ لی تھی اور آپ علیہ السلام کی صاحبزادی سے نکاح کیا تھا جس کا مفصل واقعہ قرآن کریم نے سورۃ القصص میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے، اُسے قرآن کریم میں کہیں ''مدین'' اور کہیں ''اصحاب الأیکہ'' کہا گیا ہے۔

بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ دونوں الگ الگ قومیں تھیں، اور آپ علیہ السلام پہلے مدین اور پھر اصحاب الأیکہ کی طرف مبعوث ہوئے۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہی ہے اور ان کا رجحان اس طرف ہے کہ مدین اردن کی حدود میں واقع ہے، اور ایکہ تبوک کا دوسرا نام ہے۔

(ارض القرآن۔ص:۲۶۶، ج:۲)

اور بعض مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں، مدین اس قوم کا نسبی نام ہے، کیونکہ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک صاحبزادے تھے، اور یہ قوم انہی کی نسل سے تھی، اور ''اصحاب الایکہ'' (بن والے) ان کا جغرافیائی نام تھا۔ یہ لوگ جس جگہ آباد تھے وہاں نہایت گھنا جنگل تھا، اسی لئے ان کو ''اصحاب الایکہ'' کہتے تھے۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اِسی طرف ہے۔

(قصص القرآن۔ص:۳۴۵، ج:۱)

حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف اس مزار کی نسبت کس حد تک درست ہے؟ یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یمن کے شہر حضرموت کے قریب شبام کے مقام پر بھی ایک قبر حضرت شعیب علیہ السلام سے منسوب بتائی جاتی ہے، لیکن عبدالوہاب نجار نے قصص الانبیاء میں اس نسبت کو مشتبہ قرار دیا ہے۔ (قصص الانبیاء۔عبدالوہاب النجار)

قیاس کا تقاضا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر یمن میں نہیں اردن یا شام کے کسی علاقے میں ہونی چاہیے، کیونکہ مدین اور ایکہ خواہ ایک ہی جگہ کے دو نام ہوں، یا الگ الگ مقامات ہوں۔

بہر صورت! ان کا محل وقوع عرب کے شمال مغربی حصے اور اردن و فلسطین کے درمیان ہی بتایا گیا ہے۔ لہٰذا یمن کا ان علاقوں سے کوئی تعلق نہیں۔

یہاں مقامی طور پر مشہور یہ ہے کہ جس جگہ حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار واقع ہے، یہ مدین ہی کا علاقہ ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

بہر کیف! ہم نیاز مندوں کے لئے یہ متحمل نسبت ہی کیا کم تھی؟ یہ پوری سرزمین انبیاء علیہم السلام کی سرزمین ہے، اور یہاں پہنچ کر دیدہ ودل کو حاصل ہونے والا کیف و سرور لفظ و بیان کی حدود سے ماوراتھا، اور دل کا تقاضا ہے یہ کہ

قفا نبک من ذکریٰ حبیب و منزل

معاشرت کا ایک ادب

معاشرت ہی کا ایک ادب یہ ہے... کہ گاڑی ایسی جگہ کھڑی کرو... کہ اس کی وجہ سے دوسروں کا راستہ بند نہ ہو اور دوسرے کو تکلیف نہ ہو... یہ بھی دین کا ایک حصہ ہے... آج ہم نے ان چیزوں کو بھلا دیا ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف ہم گناہگار ہو رہے ہیں بلکہ دین کی غلط نمائندگی بھی کر رہے ہیں... چنانچہ ہمیں دیکھ کر باہر سے آنے والا شخص یہ کہے گا کہ یہ لوگ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن گندگی بہت پھیلاتے ہیں اور دوسروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں اس سے اِسلام کا کیا رُخ سامنے آئے گا؟ اور وہ ان چیزوں سے اسلام کی طرف کشش محسوس کرے گا یا اسلام سے دور بھاگے گا؟... اللہ بچائے ہم لوگ دین کا ایک اچھا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے لئے کشش کا باعث بننے کے بجائے دین سے رُکاوٹ کا باعث بن رہے ہیں۔ (اصلاحی خطبات ۸، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنکی ذاتِ گرامی اُس دور کے تمام اعلیٰ فضائل ومناقب کا مجموعہ تھی۔ آپ سابقین اولین میں سے ہیں، اوراس وقت اسلام لے آئے تھے جب مسلمانوں کی تعداد اُنگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ ان دس خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے، اور جن کو خود سرکار، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار اُن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی ہے جنہیں دومرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی۔ پہلی بار آپ رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور دوسری بار مدینہ منورہ کی طرف۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں ہمیشہ نہ صرف شامل رہے بلکہ ہر موقع پر اپنی جانبازی، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اطاعت واِتباع کے اَنمٹ نقوش قائم فرمائے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر ان کے والد کفارِ مکہ کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آئے تھے، اور جنگ کے دوران اپنے بیٹے (حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ) کو نہ صرف تلاش کرتے تھے بلکہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح اُن کا آمنا سامنا ہوجائے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنے والد کے کفر سے بے زار تھے، لیکن یہ پسند نہ کرتے تھے کہ اُن پر اپنے ہاتھ سے تلوار اُٹھانی پڑے۔

اس لئے جب کبھی وہ سامنے آکر مقابلہ کرنا چاہتے تو یہ کترا جاتے، لیکن باپ نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور بالآخر انہیں مقابلہ کرنا ہی پڑا۔

اور جب مقابلہ سر پر آ ہی گیا تو اللہ تعالیٰ سے جو رشتہ قائم تھا اس کی راہ میں حائل ہونے والا ہر رشتہ ٹوٹ چکا تھا، باپ بیٹے کے درمیان تلوار چلی، اور ایمان کفر پر غالب آ گیا۔ باپ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ (الاصابہ للحافظ ابن حجر ص:۲۴۴، ج۲)

غزوۂ اُحد کے موقع پر جب کفار کے ناگہانی ہلّے میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مغفر کے دو حلقے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخسار مبارک میں اندر گھس گئے تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا۔

یہاں تک کہ اس کشمکش میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کے دو دانت گر گئے۔ دانت گر جانے سے چہرے کی خوشنمائی میں فرق آ جانا چاہیے تھا، لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ان کے دانتوں کے گرنے سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے حسن میں کمی آنے کے بجائے اور اضافہ ہو گیا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ کوئی شخص جس کے سامنے کے دانت گرے ہوئے ہوں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گیا۔ (مستدرک الحاکم ص:۲۶۶، ج:۳، وطبقات ابن سعد، ص:۲۹۸، ج:۳)

جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اپنے درمیان کوئی معلّم بھیجنے کی درخواست کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا کہ ''هذا أمين هذه الأمة'' (یہ اس اُمت کے امین ہیں)۔ (الاصابہ، ص:۲۴۳، ج:۲، بحوالہ مسند احمد)

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو صحیحین میں مروی ہے کہ:

لكل أمّة أمين، وأمين هذه الامة أبو عبيدة ابن الجراح

''ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس اُمت کے امین ابوعبیدہ ابن جراح ہیں۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سب سے زیادہ محبوب کون تھے؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ'' پوچھا گیا کہ ان کے بعد کون؟ فرمایا ''عمر رضی اللہ عنہ''، پھر پوچھا گیا کہ ''ان کے بعد کون؟

اس کے جواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ'' (جامع الترمذی، ابواب المناقب، حدیث نمبر ۳۶۵۷)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (مرسلاً روایت) فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ:

ما منكم من أحد الالو شئت لأخذت عليه بعض خلقه، الّا أبا عبيدة

تم میں سے ہر شخص ایسا ہے کہ میں چاہوں تو اسکے اخلاق میں کسی نہ کسی بات کو قابلِ اعتراض قرار دے سکتا ہوں، سوائے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے۔ (مستدرک الحاکم، ج:۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب سقیفۂ بنی ساعدہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجتماع ہوا، اور خلافت کی بات چلی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لئے دو نام پیش فرمائے، ایک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اور دوسرے حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کا، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کسی اور پر اتفاق ہونے کا سوال ہی نہ تھا۔

مسلمان آپ رضی اللہ عنہ ہی پر متفق ہوئے۔ لیکن اس موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش ہونا واضح کرتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں آپ کا مقام کیا تھا؟

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں شام کی مہمات، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی تھیں، چنانچہ اردن اور شام کا بیشتر علاقہ آپ رضی اللہ عنہ ہی کے مبارک ہاتھوں فتح ہوا۔

بیچ میں غزوۂ یرموک کے موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد

بن ولید رضی اللہ عنہ کو عراق سے شام بھیجا تو اس وقت حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو شام کی مہمات کا امیر بنا دیا تھا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت کے آغاز ہی میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو امارت سے معزول کر کے آپ رضی اللہ عنہ کو امیر بنا دیا، اور پھر سارا شام آپ کی سرکردگی میں فتح ہوا، اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ آپ کی ماتحتی میں شریکِ جہاد رہے۔ (البدایہ والنہایہ، ص:۹۴، ج:۷)

اور آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے گورنر کے فرائض انجام دیئے۔ شام کا خطہ اپنی زرخیزی، آب و ہوا اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے عرب کے صحرانشینوں کے لئے ایک جنت ارضی سے کم نہ تھا۔

دوسری طرف یہاں اس وقت کے لحاظ سے انتہائی متمدن تہذیب یعنی رومی تہذیب کا دور دورہ تھا، لیکن ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے جو انمٹ رنگ اپنے قلب و دماغ پر چڑھا لیا تھا۔

اس میں وہ اس قدر پختہ تھے کہ شام کی رنگینیاں اُن کے زہد و قناعت، دُنیا بیزاری اور آخرت کی ہمہ وقتی فکر پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکیں۔ اس بات کا اندازہ حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کے ایک واقعے سے ہوگا۔

جب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے تو اِسی زمانے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لائے۔ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ ''مجھے اپنے گھر لے چلئے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں ان کے گورنر بیرونی تہذیبوں سے متاثر ہو کر زیادہ عیش عشرت میں نہ پڑ گئے ہوں، اس لئے شاید حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا گھر دیکھنے کے پیچھے یہی فکر کارفرما ہو۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''آپ میرے گھر میں کیا کریں گے؟ وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو۔''

لیکن جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اصرار فرمایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے گئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی سامان ہی نظر نہ آیا، گھر ہر قسم کے سامان سے خالی تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا:

''آپ کا سامان کہاں ہے؟ یہاں تو بس ایک نمدہ، ایک پیالہ، ایک مشکیزہ نظر آرہا ہے، آپ امیرِ شام ہیں، آپ کے پاس کھانے کی بھی کوئی چیز ہے؟''

یہ سن کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ایک طاق کی طرف بڑھے، اور وہاں سے روٹی کے کچھ ٹکڑے اٹھا لائے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو رو پڑے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''امیر المؤمنین! میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ میری حالت پر آنکھیں نچوڑیں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان کے لئے اتنا اثاثہ کافی ہے جو اُسے اپنی خواب گاہ (قبر) تک پہنچا دے''۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ابوعبیدہ! دنیا نے ہم سب کو بدل دیا، مگر تمہیں نہیں بدل سکی''۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی ص: ۱۷، ج: ۱)

اللہ اکبر! وہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ جس کے نام سے قیصرِ روم کی عظیم طاقت لرزہ براندام تھی، جس کے ہاتھوں روم کے عظیم الشان قلعے فتح ہو رہے تھے، اور جس کے قدموں پر روزانہ رومی مال و دولت کے خزانوں کے ڈھیر ہوتے تھے، وہ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں پر زندگی بسر کر رہا تھا۔ دنیا کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اُسے اتنا ذلیل و رُسوا کسی نے کیا تو وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی جاں نثار تھے۔

؎ شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اُن خوش نصیب حضرات میں سے تھے جو نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے اپنے جنت میں جانے کی بشارت سن چکے

تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی خبر پر ادنیٰ تردّد کا بھی ان کے یہاں سوال نہ تھا۔

اس کے باوجود خشیتِ الٰہی کا عالم یہ تھا کہ بعض اوقات فرماتے تھے کہ:

وددت انی کنت کبشا فیذ بحنی أهلی ، فیأکلون لحمی،

ویحسون مرقی (سیر اعلام النبلاء ص:۱۸، ج:۱ وطبقات ابن سعد، ص:۳۰۰، ج:۳)

"کاش کہ میں ایک مینڈھا ہوتا، میرے گھر والے مجھے ذبح کر کے میرا گوشت کھاتے اور میرا شوربا پیتے"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آپ کے اتنے قدردان تھے کہ ایک مرتبہ جب اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کا سوال آیا تو آپ نے فرمایا کہ: "اگر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں میرا وقت آ گیا تو مجھے کسی سے مشورے کی بھی ضرورت نہیں، میں ان کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کے لئے نامزد کر جاؤں گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اس نامزدگی کے بارے میں مجھ سے پوچھا تو میں عرض کر سکوں گا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس اُمت کے امین ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ ہیں۔" (مسند احمد ص:۱۸، ج۱، ومستدرک حاکم ص:۲۶۸، ج:۳)

جب اردن اور شام میں وہ تاریخی طاعون پھیلا جس میں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بنے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے:

سلام علیک، أمابعد! فانه قد عرضت لی الیک حاجة أرید أن أشافهک بها فعزمت علیک اذا نظرت فی کتابی هذا أن لاتضعه من یدک حتی تقبل الیّ

"سلام کے بعد! مجھے ایک ضرورت پیش آ گئی ہے جس کے بارے میں آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں، لہٰذا میں پوری تاکید کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ جونہی آپ میرا یہ خط دیکھیں تو اُسے اپنے ہاتھ سے رکھتے ہی فوراً میری طرف روانہ ہو جائیں۔"

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اطاعتِ امیر کے ساری زندگی پابند رہے، لیکن اس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی یہ شدید ضرورت (جس کے لئے مجھے مدینہ منورہ بلایا ہے) صرف یہ ہے کہ وہ مجھے اس طاعون زدہ علاقے سے نکالنا چاہتے ہیں، چنانچہ یہ خط پڑھ کر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

عرفت حاجة أمير المؤمنين، انه يريدأن يستبقى من ليس بباق.

میں امیر المؤمنین کی ضرورت سمجھ گیا، وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں۔

یہ کہہ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ جواب لکھا:

يا أمير المؤمنين ، انى قد عرفت حاجتک الى، و انى فى جند من المسلمين لا أجد بنفسى رغبة عنهم، فلست أريد فراقهم حتى يقضى الله فىّ وفيهم أمره وقضاء ه فخلّنى من عزيمتک يا امير المؤمنين، ودعنى فى جندى،

''امیر المؤمنین! آپ نے مجھے جس ضرورت کے لئے بلایا ہے، وہ مجھے معلوم ہے، لیکن میں مسلمانوں کے ایسے لشکر کے درمیان بیٹھا ہوں جس کے لئے میں اپنے دل میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا۔ لہٰذا میں ان لوگوں کو چھوڑ کر اس وقت تک آنا نہیں چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرما دیتا۔ لہٰذا امیر المؤمنین! مجھے اپنے اس تاکیدی حکم سے معاف فرما دیجئے اور اپنے لشکر ہی میں رہنے دیجئے۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ خط پڑھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جو لوگ پاس بیٹھے تھے، وہ جانتے تھے کہ خط شام سے آیا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو آبدیدہ دیکھ کر انہوں نے پوچھا: ''کیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہوئی تو نہیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہونے

والی ہے" اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دوسرا خط لکھا:

سلام علیک ، أما بعد ،فانک أنزلت الناس

أرضاعمیقة فارفعهم الی أرض مرتفعة نزهة.

"سلام کے بعد! آپ نے لوگوں کو ایسی زمین میں رکھا ہوا ہے، جو نشیب میں ہے، اب انہیں کسی بلند جگہ پر لے جایئے جس کی ہوا صاف ستھری ہو"۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ خط حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ امیر المؤمنین کا یہ خط آیا ہے، اب آپ ایسی جگہ تلاش کیجئے جہاں لے جا کر لشکر کو ٹھہرایا جا سکے، میں جگہ کی تلاش میں نکلنے کے لیے پہلے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون میں مبتلا ہو چکی ہیں۔

میں نے واپس آ کر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتایا۔ اس پر انہوں نے خود تلاش میں جانے کا ارادہ کیا، اور اپنے اونٹ پر کجاوہ کسوایا، ابھی آپ نے اس کی رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہو گیا، اور اسی طاعون کے مرض میں آپ نے وفات پائی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ (البدایۃ والنہایۃ ص:۸۷، ج۷)

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کی سعادت ملی۔ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کا یہ مزار مسجد کی دائیں دیوار کے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں واقع ہے، مسجد سے باہر نکلیں تو دائیں طرف ایک بڑا وسیع و عریض قبرستان ہے جس میں قدیم اور بوسیدہ عمارتوں کے نشانات دور تک نظر آتے ہیں۔

یہاں کے مقامی لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ اس میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور طاعونِ عمواس کے بہت سے شہداء مدفون ہیں۔ یہاں اجتماعی اور اجمالی طور پر تمام اہلِ قبور کو سلام کرنے اور ان پر فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

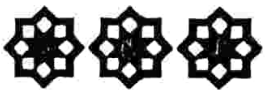

حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کی مسجد سے نکل کر ہم نے شمال کو جانے والی سڑک پر دوبارہ سفر شروع کیا تو ذرا چلنے کے بعد دائیں ہاتھ پر حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کا مزار تھا۔

یہ بھی اُن مجاہد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کی شجاعت و بسالت کی داستانوں سے شام کی فتوحات کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

واقدی کی فتوح الشام کے تو حضرت ضرار ہیرو ہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے خاص ساتھی جن کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ جنگ کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ سینے پر زرہ نہیں پہنتے تھے، بلکہ قمیص بھی اُتار دیتے تھے، اور ننگے بدن لڑا کرتے تھے۔ تاریخی اعتبار سے یہ بات مشکوک ہے کہ اُن کی وفات کہاں اور کس زمانے میں واقع ہوئی؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں مؤرخین کے مختلف اقوال نقل کیے ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔

بعض سے پتہ چلتا ہے کہ جنگِ اجنادین میں ان کی شہادت ہوئی۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ جنگِ یرموک میں شامل تھے اور اس کے بعد دمشق میں ان کا انتقال ہوا۔ واللہ سبحانہ اعلم (الاصابہ ص:۲۰۰، ج:۲)

حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کی سعادت ملی۔

حضرت شُرحبیلؓ بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر

یہاں سے شمال کی طرف شاید دو تین کلومیٹر کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ بائیں ہاتھ پر ایک عمارت نظر آئی، یہ عمارت سرسبز کھیتوں اور باغات کے درمیان واقع ہے، اور اس میں فاتح اُردن حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔

حضرت شُرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی طرف منسوب ہیں جن کا نام حسنہ تھا۔ یہ بھی اول دور کے مسلمانوں میں سے ہیں جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور بعد میں مدینہ منورہ کی طرف بھی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے شام کی فتح کے لئے چار مختلف سمتوں سے چار لشکر روانہ فرمائے تھے، ان میں سے ایک لشکر کے سربراہ حضرت شُرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ تھے اور اردن کا بہت بڑا علاقہ آپ ہی کے ہاتھ پر فتح ہوا۔

آپ کو ایک زمانے میں فلسطین کا گورنر بھی بنا دیا گیا تھا۔

شام کی فتوحات میں آپ رضی اللہ عنہ کی شجاعت و جانبازی اور حسنِ تدبیر کے واقعات تاریخوں میں تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔

عمواس کا وہ زبردست طاعون جس کا پیچھے ذکر آچکا ہے۔ اِسی میں حضرت شُرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات بھی ٹھیک اسی دن واقع ہوئی جس دن حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ (البدایۃ والنہایۃ، ص:۹۳و۹۴ ج:۷)

سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

حضرت شُرَحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے مزار سے جنوب کی طرف اور آگے چلیں تو تقریباً ۲۷ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شہر ''شونہ شمالیہ'' سے ذرا پہلے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک واقع ہے۔

ہمیں یہاں حاضری کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ یہ ایک پہاڑی کے دامن میں ایک چھوٹی سی خوبصورت مسجد ہے جس کا فرش اُس وقت بارش کی وجہ سے بھیگا ہوا تھا، اِسی مسجد کے شمالی حصے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر انصاری صحابی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اعلمهم بالحلال و الحرام'' (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم) قرار دیا۔ (جامع الترمذی، کتاب المناقب)

آپ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے، اور ہجرت سے پہلے جب ستر انصارِ مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عقبہ میں بیعت کی تو اُن میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اُس وقت آپ رضی اللہ عنہ اتنے کمسن تھے کہ داڑھی بھی نہیں نکلی تھی۔

غزوۂ بدر میں آپ بیس سال کے تھے، اور تقریباً تمام غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ البتہ غزوۂ حنین کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی تعلیم کے لئے مکہ مکرمہ چھوڑ دیا تھا۔

(مستدرک الحاکم، ص: ۲۷۰، ج ۳، وسیر اعلام النبلاء، ص ۴۵۹، ج ۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بہت محبت تھی، اور آپ وہ خوش نصیب صحابی ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے معاذ! میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے تم سے اللہ کے لئے محبت ہے۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''خدا کی قسم یارسول اللہ! مجھے بھی آپ سے اللہ کے لئے محبت ہے''۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھاؤں جو تم ہر نماز کے بعد کہا کرو:

''رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ ''(سنن نسائی)

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''نعم الرجل أبو بكر ، نعم الرجل عمر، نعم الرجل معاذ بن جبل''

یعنی ''ابوبکر اچھے آدمی ہیں، عمر اچھے آدمی ہیں، معاذ بن جبل اچھے آدمی ہیں۔''

(جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاذ، حدیث نمبر ۳۷۹۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، اور آپ ہی سے قضاء شرعی کے بارے میں وہ مشہور سوالات فرمائے تھے کہ ''کس طرح فیصلہ کرو گے؟''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، اگر کتاب اللہ میں کوئی حکم نہ ملا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: ''اگر رسول کے فیصلے میں بھی کچھ نہ ملے تو کیا کرو گے؟'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور حق تک پہنچنے کی کوشش میں کوتاہی نہ کروں گا۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کو اس بات کی توفیق دی جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق ہے۔ (جامع الترمذی حدیث نمبر ۱۳۲۸، ۱۳۲۷)

پھر یہی نہیں، جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں الوداع کہنے کے لئے خود تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اپنے سامنے اونٹنی پر سوار کرایا، پھر اِسی پر بس نہیں کیا، جب ان کی اونٹنی روانہ ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک ان کے ساتھ ساتھ چلتے رہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ یہ اپنے محبوب فدا کار سے میری آخری ملاقات ہے، اور وہ بہت دور جارہے ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جذبات کا اظہار بہت کم مواقع پر ثابت ہے۔ لیکن یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کے خصوصی تعلق کا کرشمہ ہے کہ اس موقع پر آپ کی زبانِ مبارک سے کچھ ایسے الفاظ صادر ہوئے جو ایک آنکھوں سے دور ہوتے ہوئے محبوب کو جدا کرتے وقت آپ کے دلی جذبات کے آئینہ دار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یا معاذ! انک عسی أن لا تلقانی بعد عامی هذا،

أو لعلّک أن تمرّ بمسجدی أو قبری.

معاذ! بہت ممکن ہے کہ شاید اس سال کے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو، شاید اب تم میری مسجد یا میری قبر کے پاس سے گزرو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، جو نہ جانے کب سے اپنے جذبات کو ضبط کئے ہوئے ہوں گے، یہ فقرہ سنتے ہی پھوٹ پڑے۔ شاید پہلے دل کو یہ تسلی دیتے رہے ہوں گے، کہ یہ ایک ڈیڑھ سال کی جدائی ہوگی، لیکن جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ جملہ سنا تو یقین ہوگیا کہ یہ جلوۂ جہاں تاب اب جیتے جی نظر آنے والا نہیں ہے، اُن کے منہ سے آہ نکلی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”معاذ! روؤ نہیں....“ اور یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنا رُخ بھی موڑ کر مدینہ منورہ کی طرف کرلیا۔ اور پھر فرمایا:

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِی الْمُتَّقُوْنَ، مَنْ کَانُوْا وَحَیْثُ کَانُوْا. (مسند احمد، ص:۲۳۵، ج۵)

''مجھ سے قریب ترین لوگ وہ ہیں جو متقی ہوں، خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں''۔

چنانچہ اسکے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن چلے گئے، اور جب واپس آئے تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبوبِ حقیقی کے پاس پہنچ چکے تھے۔

اس کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں نہیں رہے، شام جانے کا ارادہ کرلیا، پیش نظر غالباً یہ تھا کہ وہاں جہاد میں حصہ لیں گے۔

یہاں تک کہ شہادت کی منزل حاصل ہوجائے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ان کو مدینہ منورہ ہی میں روک لیجئے، لوگوں کو ان کی ضرورت ہے، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''انہوں نے ایک راستے کا انتخاب کرلیا ہے (یعنی شہادت کا) لہٰذا میں انہیں روک نہیں سکتا۔ (سیر اعلام النبلاء، ص:۴۵۲، ج:۱)

چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ شام چلے آئے۔ یہاں آپ نے جہاد میں بھی حصہ لیا۔ تعلیم وتبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا، اور حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کے دست راست بنے رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے بہت تعلق تھا، وہ فرماتے تھے کہ:

عجزت النساء ان یلدن مثل معاذ رضی اللّٰہ عنہ (ایضاً)

''عورتیں معاذ جیسا شخص پیدا کرنے سے عاجز ہیں''۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک غلام کو چار سو دینار دے کر کہا کہ یہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ، پھر تھوڑی دیر ان کے گھر میں ٹھہر کر دیکھو کہ وہ ان کا کیا کرتے ہیں؟ غلام وہ دینار حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دینار لے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دعائیں دیں کہ ''اللہ تعالیٰ ان کا اس کو صلہ دے۔ (طبقات ابن سعد:۳۰۱ ج ۳)

اور ان پر رحم فرمائے'' پھر اپنی کنیز سے کہا کہ: یہ سات دینار فلاں کے پاس لے

جاؤ، یہ پانچ فلاں کے پاس'' یہاں تک کہ وہ سارے دینار اسی وقت تقسیم کر ڈالے۔ غلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ آیا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اتنے ہی دینار اُسے دوبارہ دیئے کہ ''اب یہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ، اور اسی طرح دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں۔''

وہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے بھی وہی معاملہ کیا، جب سارے دینار ختم ہونے لگے تو اندر سے ان کی اہلیہ نے آواز دی کہ ''ہم بھی نادار ہیں، کچھ ہمیں بھی دیدیجئے'' اس وقت تھیلی میں دو دینار باقی تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہ دو دینار اہلیہ کی طرف لڑھکا دیئے۔ غلام نے لوٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ واقعہ بتایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر فرمایا کہ ''یہ آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک جیسے ہیں۔'' (طبقات ابن سعد، ص:۳۰۱، ج:۳)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ جب طاعون میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد شام کی حکومت کے لئے نامزد فرمایا۔

اس زمانے میں طاعون انتہائی تیز رفتاری سے پھیل رہا تھا۔

اس موقع پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سنایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

''تم لوگ شام کی طرف ہجرت کرو گے، وہ تمہارے ہاتھ پر فتح بھی ہوگا، اور وہاں ایک ایسی بیماری ظاہر ہوگی جو پھوڑے یا گٹھلی کی طرح ہوگی..... اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ تمہیں شہادت بخشیں گے اور تمہارے اعمال کا تزکیہ فرمائیں گے۔''

اس کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا فرمائی کہ یا اللہ! اگر معاذ رضی اللہ عنہ نے واقعۃً یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے تو اُسے اور اس کے گھر والوں کو بھی اس فضیلت سے وافر حصہ عطا فرما۔

چنانچہ طاعون ان کے گھر میں بھی داخل ہو گیا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے گھر کا

کوئی فرد اس سے نہیں بچا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو طاعون کی گٹھلی شہادت کی انگلی میں نکلی، آپ رضی اللہ عنہ اِسے دیکھ کر فرماتے: ''اگر کوئی اس کے بدلے مجھے سرخ اونٹ بھی دے تو وہ مجھے پسند نہیں۔'' (مجمع الزوائد ص:۳۱۱، ج:۲)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو طاعون میں مبتلا دیکھ کر ایک صاحب رونے لگے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟

انہوں نے جواب دیا کہ'' میں اس وجہ سے نہیں روتا کہ مجھے آپ کے ذریعے دُنیوی دولت ملتی تھی، بلکہ اس علم پر رو رہا ہوں جو میں آپ سے حاصل کرتا تھا۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''علم کو بھی نہ رووٴ۔'' دیکھو! حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک ایسی زمین میں پیدا ہوئے تھے جہاں کوئی علم نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے انہی کو علم عطا فرما دیا۔ لہٰذا میرے مرنے کے بعد چار افراد کے پاس علم تلاش کرنا: ''عبداللہ بن مسعود، سلمان فارسی، عبداللہ بن سلام اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہم۔'' (سیر اعلام النبلاء ص:۴۵۹،)

بہر کیف! ان کی دعا قبول ہوئی اور اِسی طاعون میں (۱۸ھ میں) آپ نے وفات پائی جبکہ آپ کی عمر ۳۳، ۳۴ سال سے زیادہ نہ تھی۔

عقیدت و محبت کے نا قابلِ بیان جذبات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خوش نصیب صحابی رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری دی۔

تقویٰ کا مفہوم

تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل شانہ کے عظمت کے استحضار سے اس کے گناہوں سے بچنا، یعنی یہ سوچ کر کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر مجھے جواب دینا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ (اصلاحی خطبات ا، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کچھ امتیازی خصوصیات کے حامل ہیں، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ امتیاز انہی کو حاصل ہے کہ اُن کا نام قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا ...(سورۃ الاحزاب)

یہ اعزاز کسی دوسرے صحابی کو حاصل نہیں ہے، اسی طرح آپ کی ایک امتیازی سعادت یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنا متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنایا ہوا تھا اور اس کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے والد (حارثہ) قبیلۂ بنو کعب سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی والدہ سُعدیٰ بنو معن کے قبیلے سے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لڑکپن کے زمانے میں ان کی والدہ اپنے میکے گئیں تو انہیں بھی اپنے ساتھ لے گئیں، جاہلیت کا زمانہ تھا، اور قبائلِ عرب کے درمیان جنگیں چلتی ہی رہتی تھیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ننھیال پر ایک دشمن قبیلہ حملہ آور ہوا، اور اس زمانے کے دستور کے مطابق وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قید کر کے لے گیا، اور انہیں غلام بنالیا۔ یہ بے چارے اپنے والدین سے دور غلامی کی زندگی بسر کرتے رہے۔

ایک مرتبہ جب عکاظ میں میلہ لگا تو ان کا آقا انہیں اس میلے میں بیچنے کے لئے لایا، اتفاق سے وہاں اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی بھی تھے) تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے چار سو درہم میں یہ غلام اپنی

پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے خرید لیا۔

اس کے بعد جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو انہوں نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بطور غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا، اور اب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باقاعدہ غلامی میں آ گئے۔

اُدھر حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد حارثہ اپنے بیٹے کی تلاش میں سرگرداں تھے، اور ان کا کوئی پتہ نشان نہیں ملتا تھا، اُنہی کی یاد میں انہوں نے یہ شعر بھی کہا کہ

بکیت علیٰ زید ولم أدرما فعل أحیّ فیرجی ، أم اتی دونه الأجل

''میں زید پر روتا ہوں، معلوم نہیں کہ اس کا کیا بنا؟''..... ''پتہ نہیں کہ وہ زندہ ہے کہ کبھی اس سے ملنے کی اُمید کی جائے یا اس کو موت آ چکی ہے۔''

جب حج کا موسم آیا تو بنو کلب کے کچھ لوگ حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ آئے، وہاں انہوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور پہچان گئے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں پہچان لیا اور ان سے کہا کہ میرے گھر والوں کو میرا یہ شعر پہنچا دینا۔

أحنّ الی قومی و ان کنت نائیا بأنی قطین البیت عند المشاعر

یعنی: ''میں اپنی قوم کو اب بھی یاد کرتا ہوں، اگرچہ میں دور ہوں''

''اور مقاماتِ مقدسہ کے پاس بیت اللہ کا مجاور بن چکا ہوں۔''

یہ لوگ جب واپس پہنچے تو انہوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد کو سارا واقعہ بھی سنایا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا پتہ بھی دیا۔

حارثہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے چچا کعب ان کی تلاش میں مکہ مکرمہ پہنچے۔ پتہ چلا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام بنے ہوئے ہیں، وہ لوگوں سے پوچھتے پوچھتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے آ کر عرض کیا کہ:

آپ عبدالمطلب کے بیٹے ہیں، وہ اپنی قوم کے سردار تھے، آپ لوگ حرمِ کعبہ کے

پاسبان ہیں اور آپ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ غلاموں کو آزاد کرتے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ہمارا بیٹا آپ کا غلام ہے، ہم اس بارے میں آپ سے بات کرنے آئے ہیں، آپ ہم پر احسان کیجئے، جو فدیہ بھی آپ طلب کریں، ہم وہ ادا کرنے کو تیار ہیں، انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے، وہ غلام زید بن حارثہ ہیں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"یہ تو کچھ مشکل بات نہیں، میں ابھی ان کو بلا لیتا ہوں، اُن سے اُن کی مرضی معلوم کر لیجئے، اگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہیں تو میں کسی فدیہ کے بغیر انہیں آپ کے حوالے کر دوں گا لیکن اگر انہوں نے خود میرے ساتھ ہی رہنا پسند کیا تو جو شخص میرے ساتھ رہنا پسند کرے، اسے چھوڑ کر فدیہ لینا مجھ سے نہ ہو سکے گا"۔

انہوں نے کہا: "آپ نے ہماری آدھی سے زیادہ تو مشکل حل کر دی"۔

(ان کا خیال تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ یقیناً اپنے باپ اور چچا کے ساتھ جانا پسند کریں گے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلوا کر اُن سے پوچھا کہ: "ان دونوں کو پہچانتے ہو؟"

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جی ہاں! یہ میرے والد ہیں، اور وہ میرے چچا"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم میرے ساتھ ایک مدت تک رہ چکے ہو، اب تمہیں اختیار ہے، چاہو تو میرے ساتھ رہو اور چاہو تو ان کے ساتھ"۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "میں آپ کے مقابلے میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، آپ میرے باپ بھی ہیں اور چچا بھی"۔

باپ اور چچا نے یہ سنا تو چیخ پڑے: "زید! تمہیں کیا ہو گیا؟ تم آزادی پر غلامی کو، اور اپنے باپ، چچا اور گھر والوں پر ایک اجنبی کو ترجیح دے رہے ہو؟"

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "جی ہاں! میں نے ان صاحب کے پاس ایک ایسی چیز دیکھی ہے کہ اس کے بعد ان کے مقابلے میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو سنی تو ان کا ہاتھ پکڑ کر حطیم کی طرف لے گئے اور بلند آواز سے فرمایا:

''تمام لوگ گواہ رہیں کہ آج سے زید میرا بیٹا ہے، یہ میرا وارث ہوگا، اور میں اس کا''

شروع میں منہ بولے بیٹے کو وارث بنایا جاسکتا تھا، بعد میں قرآنِ کریم نے یہ حکم منسوخ فرمادیا۔ اب کوئی منہ بولا بیٹا وارث نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ بعد میں یہ حکم بھی آگیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا نے یہ منظر دیکھا تو وہ بھی مطمئن ہوگئے اور خوش دلی سے واپس چلے گئے۔ (الاصابہ ص: ۵۴۵، ۵۴۶، ج۱)

اس کے بعد لوگ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو ''زید بن حارثہ'' کے بجائے ''زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کہنے لگے، یہاں تک کہ قرآن کریم میں سورۃ الاحزاب کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں یہ حکم دیا گیا کہ متبنّیٰ کو بھی اس کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے پکارنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی جنگی مہمات کا امیر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بنایا، اور اس طرح یہ عملی سبق دیا کہ اسلام میں فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے، غلامی اور آزادی نہیں، یہاں تک کہ آخری بار غزوۂ موتہ کی سربراہی انہیں سونپی گئی۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''انبیاء کی سرزمین میں'' تحریر فرمایا: مُوتہ وہی شہر ہے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ''جنگِ مُوتہ'' ہوئی تھی، یہ عمان سے تقریباً تین، ساڑھے تین گھنٹے کی ڈرائیو (Drive) پر ہے۔

سب سے پہلے ہم اُس میدان میں پہنچے جہاں یہ معرکہ ہوا تھا، یہاں ایک بہت بڑے پتھر پر ان بارہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام درج ہیں جو اس میں شہید ہوئے۔ مجاہدینِ اسلام کا جہاں پڑاؤ تھا وہ جگہ یہاں سے نسبتاً بلندی پر سامنے نظر آرہی تھی، اسی کے برابر میں بلندی پر مُوتہ شہر آباد ہے جو اچھا خاصا بڑا شہر ہے۔

وہاں کے لوگوں نے بتلایا کہ جب تک یہاں پکی سڑکیں اور آبادی کی کثرت نہیں تھی اور بجلی بھی نہیں آئی تھی اُس وقت تک جب ہم جمعہ کے دن صبح کو فجر کی نماز کے لیے جاتے تھے تو یہاں تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کے ٹاپوں اور ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جیسے جنگ ہو رہی ہو لیکن جب سے آبادی بڑھی اور عمارتیں پکی بن گئیں تو وہ آوازیں آنا بند ہو گئیں۔

(دراصل) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرحبیل بن عمرو غسانی کے نام ایک خط روانہ فرمایا، شرحبیل قیصر رُوم کی طرف سے شام کا امیر تھا۔

حضرت حارث بن عُمیر رضی اللہ عنہ جب آپ کا یہ خط لے کر مقامِ مُوتہ میں پہنچے جو اُردُن میں ہے، تو شرحبیل نے ان کو قتل کروادیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ سفیر کو قتل کرنا بین الاقوامی روایات و اخلاقیات کی خلاف ورزی اور انتہائی اشتعال انگیز حرکت تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع فرما کر تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر ترتیب دیا، اپنے مُتبنّٰی (منہ بولے بیٹے) حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفر ابن ابی طالب امیر ہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے، اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو ان کے بعد لشکر کے مجاہدین جس کو چاہیں امیر منتخب کرلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں یہ کھٹک پیدا ہو گئی تھی کہ یہ حضرات ضرور شہید ہونے والے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا اور لشکر کو رُخصت کرنے کے لئے بنفسِ نفیس ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے۔ لشکر کی یہ روانگی ماہِ جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں ہوئی، جبکہ خیبر پچھلے سال فتح ہو چکا تھا۔

جب یہ تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم اردن کے سرحدی علاقے ''مَعان'' میں پہنچے تو پتہ چلا کہ شرحبیل غسانی ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلے کے لئے تیار ہے اور رُوم کا بادشاہ ھِرَقْل (Heracluis) ایک لاکھ کا لشکر لے کر کمک کے طور پر پیچھے آرہا ہے۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ انتہائی دشوار سفر کر کے یہاں پہنچنے والے تین ہزار مجاہدین کا مقابلہ دو لاکھ کے تازہ دَم لشکر سے ہونے والا تھا۔

پھر اسی پر سب کا فیصلہ ہوا کہ فتح یا شہادت کا جذبہ لے کر جنگ کی جائے، اور یہ لشکر آگے بڑھ کر مقامِ مُوتہ تک جا پہنچا، وہی موتہ کا مقام جہاں اس وقت ہم کھڑے ہوئے تھے۔ (انبیاء علیہم السلام کی سرزمین میں)

یہاں کئی روز جنگ ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی بے جگری سے لڑے، یہاں تک کہ دورانِ جنگ امیرِ لشکر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔

اور وہ شخص جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت وصحبت کی خاطر اپنے باپ، چچا اور پورے خاندان کو چھوڑ دیا تھا۔

اللہ کے دین کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ایک ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر اس اجنبی سرزمین میں آسودہ ہے۔ (رضی اللہ عنہ وأرضاہ)

گناہ کی مثال

ایک سفید کپڑا ہے... جو ابھی ابھی دھوبی کے پاس سے دُھل کر آیا ہے... اگر اس پر ذرا سا بھی دھبہ لگ جائے گا... تو وہ نمایاں ہوگا... اسی طرح رمضان کے اندر تمہارا دل گناہوں سے دھل کر بالکل صاف ہو گیا... اب اس دل کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کرو... تاکہ اس صاف دل پر گناہوں کا کوئی داغ نہ لگ جائے... معصیتوں اور نافرمانیوں کے داغ نہ لگ جائیں... اِن سے دل کو بچاؤ۔ (اصلاحی مجالس ۲، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے مزار پر

مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "انبیاء کی سرزمین میں" تحریر فرمایا: اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق (غزوۂ موتہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بعد) حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈے کو سنبھال لیا، انہوں نے بھی بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کیا، چاروں طرف سے تیروں اور نیزوں کی بارش میں بھی پوری طرح ڈٹ کر لڑتے رہے، زخمی ہوجاتے تھے اور یہ اشعار پڑھ پڑھ کر دشمن پر حملے کرتے جاتے تھے:

يَا حَبَّذَا الْجَنَّةُ وَاقْتِرَابُهَا طَيِّبَةٌ وَبَارِدٌ شَرَابُهَا وَالرُّوْمُ رُوْمٌ
قَدْدَنَا عَذَابُهَا كَافِرَةٌ بَعِيدَةٌ اَنْسَابُهَا عَلَيَّ اِذْ لَا قَيْتُهَا ضِرَابُهَا

ترجمہ: وہ واہ جنت کیسی اچھی ہے اور اس کا قریب آجانا کتنا پُر لطف ہے! وہ پاکیزہ ہے اور اس کے مشروبات ٹھنڈے ہیں۔ ہمارا ہدف رومی ہیں اور ان کے عذاب کا وقت قریب آپہنچا ہے، یہ کافر قوم ہے ان سے ہمارا کوئی نسبی تعلق بھی نہیں، مجھ پر لازم ہے کہ جب ان سے میرا مقابلہ ہو ہی گیا ہے تو ان پر ضربِ کاری لگاؤں۔

اسی حال میں لڑتے ہوئے دشمن پر کاری ضربیں لگاتے رہے، یہاں تک کہ دشمن نے تلوار سے اس ہاتھ پر سخت حملہ کردیا جس میں جھنڈا تھا، اور وہ ہاتھ کٹ کر گر گیا، آپ نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں سنبھال لیا یہاں تک کہ وہ ہاتھ بھی کٹ گیا تو آپ نے

دونوں کٹے ہوئے بازوؤں اور گود میں دبا کر جھنڈے کو سینے سے سنبھال رکھا، لیکن دشمن کا ایک اور وار لگا، اور شہید ہو گئے، شہادت کے بعد جب دیکھا گیا تو ان کے جسم پر نوے سے زیادہ زخم تھے، کوئی زخم پشت پر نہیں تھا۔ (انبیاء علیہم السلام کی سرزمین میں)

یہاں (حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے مزار) سے کچھ فاصلے پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا مزار ہے، وہاں بھی حاضری اور سلام عرض کرنے کی سعادت ملی۔ حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے جو عمر میں ان سے دس سال بڑے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکل و شباہت بہت ملتی تھی، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''أشبهت خَلْقی و خُلُقی'' (بخاری و مسلم)

''تم صورت میں بھی میرے مشابہ ہو اور اخلاق میں بھی''۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ غریب نواز تھے، غریبوں اور مسکینوں کی بہت مدد کرتے تھے، اس لئے ان کا لقب ''ابو المساکین'' مشہور ہو گیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تمام لوگوں سے افضل ہیں''۔ آپ نے کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی، اور آپ ہی نے نجاشی کے دربار میں وہ پُر اثر تاریخی تقریر فرمائی جس کے نتیجے میں نجاشی مسلمان ہوئے۔ چنانچہ جب آپ حبشہ سے غزوۂ خیبر کے موقع پر واپس تشریف لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر نکل کر آپ کا استقبال فرمایا اور پیشانی پر بوسہ دیا۔ یہ ۷ھ کا واقعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر

یہاں سے کچھ فاصلے پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا مزار تھا، وہاں بھی حاضری ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں، اسلام سے پہلے یہ شاعر کی حیثیت سے مشہور تھے، اور ان کے اشعار پورے عرب میں پھیلے ہوئے تھے، لیکن اسلام لانے کے بعد باقاعدہ شاعری ترک کردی تھی، ایک جہاد کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان سے فرمائش کی کہ "اپنے اشعار سے قافلے کو گرماؤ" حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

"یارسول اللہ! میں یہ باتیں چھوڑ چکا ہوں" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ٹوکا اور فرمایا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر اسے ماننا چاہیے" اس پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے موقع کی مناسبت سے یہ اشعار پڑھے:

یا رب لولا أنت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلّينا

فأنزلن سكينة علينا و ثبّت الأقدام ان لا قينا

ان الكفار قد بغوا علينا و ان أرادوا فتنة أبينا

"اے پروردگار! آپ کی توفیق نہ ہوتی تو ہمیں ہدایت نہ ملتی.... نہ ہم صدقہ کرسکتے، نہ نمازیں پڑھ سکتے... اب آپ ہی ہم پر سکینت نازل فرمائیے... اور جب ہم دشمن کے مقابل ہوں تو ہمیں ثابت قدم رکھیے... کفار نے ہمارے خلاف سر اُٹھایا ہوا ہے... اگر وہ فتنہ برپا کرنا چاہیں گے تو ہم کرنے نہیں دیں گے۔"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر مسجد حرام میں داخل ہوئے اور

طواف کے لئے آگے بڑھے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے راستہ بناتے ہوئے چل رہے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بھی متعدد جنگی مہمات میں امیر بنایا اور آخری بار غزوۂ موتہ میں آپ سربراہِ لشکر بنے (اور جامِ شہادت نوش فرمایا)۔

(طبقات ابن سعد، ص: ۵۲۵ تا ۵۲۸، ج: ۳)

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "انبیاء کی سرزمین میں" تحریر فرمایا: (حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا سنبھال لیا، انہوں نے بھی خوب دل و جان سے جنگ کی، یہاں تک کہ زخمی ہوئے، اب سخت زخمی ہونے کے بعد انہیں چند لمحے کے لئے تھوڑا سا تردّد ہوا کہ آگے بڑھوں یا نہیں؟ تو فوراً انہوں نے کئی اشعار پڑھے جن میں اپنے آپ کو ملامت کی اور پھر آگے بڑھ کر لڑنے لگے، یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ اُس وقت آپ کئی دن فاقے سے تھے۔

اِدھر یہ واقعات پیش آ رہے تھے، دوسری طرف مدینہ طیبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان پیاروں کے حالات جاننے کے لئے فکر مند تھے، اللہ ربّ العالمین نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس سارے میدانِ کارزار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا، آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور میدانِ جنگ کا حال بتلاتے ہوئے فرمایا کہ: زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا اور دُشمن سے خوب جنگ کی، یہاں تک کہ شہید ہو گئے اور جنت میں جا پہنچے۔

پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ: زید کے بعد جعفر نے جھنڈا سنبھال لیا، اللہ کے دشمنوں سے خوب جنگ کی، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو کر جنت میں داخل ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دونوں کٹنے والے بازوؤں کے بدلے میں انہیں دو پَر عطا کئے ہیں جن کے ذریعے وہ فرشتوں کے ساتھ جنت میں اُڑتے پھر رہے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: پھر انہوں نے جھنڈا سنبھالا۔ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، کچھ دیر خاموش رہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تشویش ہوئی کہ نہ جانے آپ ان کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ کچھ دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انہوں نے بھی خوب جنگ لڑی یہاں تک کہ شہید ہو کر یہ بھی جنت میں داخل ہو گئے۔ اِن تینوں کو جنت میں سنہری تخت دیا گیا ہے جس پر یہ جلوہ افروز ہیں، میں نے دیکھا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا تخت کچھ ڈول رہا تھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ سے خاموش ہو گئے تھے)، میں نے اس کی وجہ پوچھی تو مجھے بتایا گیا کہ میدانِ جنگ میں زخمی ہونے کے بعد انہیں کچھ دیر تردّد ہوا تھا کہ آگے بڑھیں یا نہیں؟ تو وہی کیفیت اس تخت پر دکھائی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (انبیاء علیہم السلام کی سرزمین میں)

غزوۂ موتہ کے میدان اور تینوں بزرگوں کے مزارات پر حاضری اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی سکینت وطمانیت آج کے دن وہ عظیم سرمایہ تھی جو زندگی بھر یاد رہے گی۔

غوطہ میں

غوطہ قدیم زمانے سے دمشق کا وہ مضافاتی علاقہ ہے جو اپنی زرخیزی اور رعنائی ودلکشی کے لئے پوری دنیا میں مشہور بلکہ ضرب المثل تھا۔

مشہور جغرافیہ نگار علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اللہ کے پیدا کئے ہوئے شہروں میں یہ علاقہ باتفاق سب سے زیادہ پاکیزہ اور خوش منظر ہے، اور یہ اُن چار علاقوں میں سے ایک ہے جنہیں جنت ارضی قرار دیا گیا ہے۔ وہ چار علاقے یہ ہیں: ''صُغدِ، اُبلّہ، شعب بوّان اور غوطہ۔ (معجم البلدان للحموی۔ ص:۲۱۹، ج:۱۴)

غوطہ سے ہوتے ہوئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سیدہ زینب بنت علی (رضی اللہ عنہا) کے مزار پر گئے۔

حضرت زینبؓ بنت علیؓ رضی اللہ عنہا کے مزار پر

حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادی اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی حقیقی بہن، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیدا ہوگئی تھیں، لیکن بہت کمسن تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کا نکاح اپنے بھتیجے حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا۔ سانحۂ کربلا کے وقت آپ اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھیں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ کو دیگر اہل بیت کے ساتھ دمشق لایا گیا۔ آپ اپنے زمانے میں بڑی عاقلہ اور فصیح و بلیغ خاتون مشہور تھیں۔ (طبقات ابن سعد، ص: ۴۶۵، ج: ۸)

حضرت زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کا ایک مزار مصر میں بھی مشہور ہے لیکن کسی مستند روایت سے آپ کا مصر جانا ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ سانحۂ کربلا کے بعد دمشق آنا ضرور ثابت ہے۔ لہٰذا دمشق میں آپ کا مدفون ہونا مصر کی بہ نسبت زیادہ قرین قیاس ہے، واللہ سبحانہ اعلم (أعلام النساء، ص: ۹۸، ج: ۲)

عراق کے اہل بیت کے مزارات کی طرح حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا یہ مزار بھی بڑی شاندار عمارت میں واقع ہے، اللہ تعالیٰ حضراتِ اہل بیت رضی اللہ عنہم کی ارواح پر ابدی رحمتیں نازل فرمائے۔

الباب الصغیر کے قبرستان میں

دمشق کے قدیم قبرستان میں گئے جو ''الباب الصغیر'' کا قبرستان کہلاتا ہے اور جس میں بے شمار صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور بزرگانِ دین کے مزارات ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے دمشق فتح کیا تو وہ اسی دروازے سے داخل ہوئے تھے، یہاں بہت سے حضرات شہید ہوئے تو انہیں یہیں پر دفن کیا گیا، بعد میں اسی جگہ کو عام قبرستان بنالیا گیا۔

اس جگہ کا نام پہلے ''باب توما'' تھا بعد میں اسے ''الباب الصغیر'' یا ''ظاہر دمشق'' کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ (تہذیب تاریخ ابن عساکر، ص:۲۶۴، ج:۱)

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات اس قبرستان میں بیان کئے جاتے ہیں اُن کی فہرست بہت طویل ہے، لیکن جن حضرات کے مزارات پر سلام عرض کرنے کی توفیق ہوئی، اُن کا مختصر تذکرہ مناسب ہوگا۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے مزار پر

سب سے پہلے ہم اُس مزار پر حاضر ہوئے
جو حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "انبیاء کی سرزمین میں" تحریر فرمایا: قبرستان کے دروازے سے داخل ہوتے ہی سامنے ایک قبہ (گنبد) نظر آیا، اور یہ معلوم ہوتے ہی کہ یہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے دل اور قدم بے اختیار اسی کی طرف کھنچتے چلے گئے۔

اس قبے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ تقریباً درجن بھر قبریں اور بھی ہیں جو بہت پاس پاس بنی ہوئی ہیں، بعض قبروں کے کتبوں سے معلوم ہوا کہ وہ ماضی کے اونچے درجے کے عہدے دار اور حکام و اُمراء کی قبریں ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے خود کو عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پہلو میں دفن کیے جانے کی وصیت کی ہوگی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ افریقہ کے ساحلی ملک حبشہ (ایتھوپیا) کے رہنے والے تھے، والد کا نام "رَباح" اور والدہ کا نام "حُمامۃ" تھا، حبشہ سے مکہ مکرمہ آگئے تھے، یہاں ایک شخص کے غلام تھے، اسی حالت میں مشرف باسلام ہوئے، اس وقت عمر تقریباً ۳۰ سال تھی۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ (دینِ حق کے بارے میں) سبقت

لے جانے والے چار ہیں، عرب سے میں ہوں، رُوم (یورپ) سے صہیب ہیں، فارس (ایشیاء ایران وعراق وغیرہ) سے سلمان ہیں اور حبشہ (افریقہ) سے بلال۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد ۲ھ میں اذان شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی سے سب سے پہلی اذان دلوائی، اور مستقل طور سے ان ہی کو مؤذِن مقرر فرمادیا، اس وقت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ اور سفر وحضر میں آپ کے مؤذِن رہے، یہ اتنی بڑی سعادت تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی حسرت کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ اب میں پچھتاتا ہوں۔ کاش! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کر کے اپنے بیٹوں حسن اور حسین کو مؤذِن مقرر کرادیتا۔

شام میں سکونت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا دل مدینہ طیبہ میں نہ لگتا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شام کے جہاد میں شرکت کے لئے مدینہ طیبہ سے رخصت ہوگئے، خلیفۂ وقت نے مدینہ طیبہ میں روکنے کی بہت کوشش کی مگر یہ راضی نہ ہوئے تو مجبوراً اجازت دے دی، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے شام فتح ہوجانے کے بعد وہیں سکونت اختیار فرمالی۔

ایک مرتبہ جب امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان کی موجودگی میں اذان دی، راوی کہتے ہیں کہ اس دن (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ یاد کر کے) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس قدر روئے کہ اس طرح روتے ہوئے ان کو ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نعتیہ شعر حبشی زبان میں

جی ہاں! آپ کو لطف آئیگا یہ معلوم کر کے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ایک شعر حبشی زبان میں بھی کہا ہے، فرماتے ہیں:

اَرَہٗ بَرَہٗ کَنْکُ کَرَہٗ کَرائی کَرِیُ مَنَّ الدَّرَہٗ

شاعرِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس شعر کا عربی ترجمہ شعر ہی میں اس طرح کیا ہے:

اِذَا الْمَکَارِمُ فِیْ اٰفَاقِنَا ذُکِرَتْ فَاِنَّمَا بِکَ فِیْنَا یُضْرَبُ الْمَثَل

یعنی جب دنیا میں اعلیٰ ترین اخلاق وصفات کا ذکر آتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہم (صحابہ) ہی کو مثال میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں شعر سیدنا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کے برابر والی دیوار پر لکھے ہوئے ہیں۔ (انبیاء علیہم السلام کی سرزمین میں)

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور اسلام کے لئے اُن کی خدمات سے کون مسلمان ناواقف ہے؟ شاید ہی کوئی مسلمان ایسا ہو کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی آتے ہی عقیدت ومحبت کی ٹھنڈک اپنے دل میں محسوس نہ کرتا ہو۔

مکہ مکرمہ میں اسلام سے پہلے انہوں نے غلامی کی زندگی گزاری، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ اُن چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ یہاں تک کہ اُس دور میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعارف حاصل کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ: ''(توحید کے) اس پیغام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھی اور کون ہے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

''حر وعبد (صحیح مسلم) یعنی ''ایک آزاد شخص ہے اور ایک غلام''۔ آزاد شخص سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور غلام سے مراد حضرت بلال رضی اللہ عنہ۔

اسلام لانے پر ان کے آقا نے ان پر جو ظلم وستم توڑے، اس کے واقعات مشہور ہیں، انہیں چلچلاتی ہوئی دھوپ میں تپتے ہوئے سنگریزوں پر لٹایا جاتا اور لات وعزیٰ کو معبود ماننے پر مجبور کیا جاتا، لیکن ان کے منہ سے ''اَحَدٌ اَحَدٌ'' کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا۔ بالآخر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کیا۔

اس کے بعد سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سفر و حضر میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باقاعدہ مؤذن قرار پائے۔ ان کی فضیلت کے لئے ایک ہی حدیث کافی ہے جس میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فجر کی نماز کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ:

"مجھے اپنا وہ عمل بتاؤ جو تمہارے نزدیک سب سے زیادہ اُمید افزا ہو کیونکہ میں نے آج رات جنت میں تمہارے پاؤں کی آہٹ اپنے سامنے سنی"۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: "میں رات دن کسی بھی وقت جب بھی وضو کرتا ہوں تو اپنے پروردگار کے لئے جتنی توفیق ہوتی ہے نماز ضرور پڑھتا ہوں"۔

(طبقات ابن سعد، ص: ۱۶۷، ج: ۳)

پھر وہ وقت بھی آیا کہ اُسی مکہ مکرمہ میں جہاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کلمہ طیبہ پڑھنے کی خاطر اذیتیں دی جاتی تھیں جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ کعبہ شریف کی چھت پر چڑھ کر اذان دیں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے پہلی بار مکہ مکرمہ میں کعبے کی چھت سے اذان دی۔

(تاریخ مکہ للأزرقی)

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مدینہ طیبہ میں نہ رہا گیا اور وہ جہاد کے لئے شام آ کر مقیم ہو گئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت ہی میں شام آ گئے تھے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں روک لیا تھا، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام آئے۔

ایک روایت میں ہے کہ شام کے قیام کے دوران حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما رہے ہیں: "بلال! ایسی بھی کیا بے مروتی؟

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم مجھ سے آ کر ملو؟'' یہ بیدار ہوئے تو غمگین تھے، فوراً سواری منگائی اور مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، وہاں روتے رہے۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما وہاں تشریف لے آئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے انہیں گلے سے لگالیا۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے ان سے فرمائش کی کہ ''ہمارا آپ کی اذان سننے کو دل چاہتا ہے'' حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے چھت پر کھڑے ہو کر اذان دینی شروع کی ابھی ''اللہ اکبر اللہ اکبر'' کہا تھا کہ مدینہ گونج اُٹھا، ''اشهد ان لا اله الا الله'' کہا تو کہرام مچ گیا، جب ''اشهد أن محمد رسول الله'' کہا تو پردہ نشین خواتین تک بے تابی کے عالم میں گھروں سے نکل آئیں اور کہنے لگیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ مبعوث ہو گئے'' کہتے ہیں کہ لوگ اُس دن سے زیادہ کسی اور دن مدینہ طیبہ میں روتے نہیں دیکھے گئے۔ (اسد الغابہ ص:۲۴۴، ۲۴۵، ج:۱)

یہ روایت سنداً کمزور ہے، اس کے مقابلے میں وہ روایت زیادہ مضبوط ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ واقعہ شام میں پیش آیا، یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے تو انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے اذان کی فرمائش کی، اور جب انہوں نے اذان دی تو لوگ رونے لگے، اور اُس دن سے زیادہ کسی اور دن روتے ہوئے نہیں دیکھے گئے۔ (سیر اعلام النبلاء ص:۳۵۷، ج:۱)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سیرت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ آخرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے انتظار سے عبارت تھا۔ چنانچہ جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ بے خودی کے عالم میں یہ شعر پڑھ رہے تھے:

غدًا نلقى الأحبّه محمدا و حزبه

کل ہماری محبوب شخصیتوں سے ملاقات ہوگی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے۔

موت کی شدت دیکھ کر آپ کی اہلیہ نے کہا:

''واویلاہ ''(ہائے افسوس!)

لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''وافر حاہ ''(واہ رے خوشی!)(سیر اعلام النبلاء، ص:۳۵۹، ج۱:)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا مزار شام میں تین جگہ بیان کیا جاتا ہے، ایک یہاں، دوسرے داریا نامی قصبے میں، تیسرے حلب میں لیکن زیادہ تر علماء کا رجحان اسی طرف ہے کہ آپ الباب الصغیر کے اِسی قبرستان میں مدفون ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری کے وقت دل کی عجیب کیفیت تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی رشک ملائک زندگی کے واقعات یاد آرہے تھے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی نے آپ کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

عرب کے وہ قریشی سردار جو پورے جزیرۂ عرب میں عزت واحترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اور جن کے سامنے عرب کے باعزت خاندانوں کی گردنیں جھکی رہتی تھیں، وہ تو اسلام سے روگردانی کر کے ذلت وگمنامی کے غار میں جا گرے۔

آج کوئی احترام کے ساتھ ان کا نام لینا بھی گوارا نہیں کرتا، اور حبشہ کے وہ باشندے جن کی زندگی غلامی میں بسر ہورہی تھی اور جنہیں کوئی گلے لگانے کے لئے تیار نہ تھا، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچ کر زندۂ جاوید ہو گئے۔

حضرت ابنِ اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مزار کے بالکل قریب ایک قبر پر
''حضرت عبداللہ ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کے اسمِ گرامی کا کتبہ لگا ہوا ہے۔
یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے مؤذن تھے جو عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اکثر فجر کی اذان دیا کرتے تھے۔ مکہ مکرمہ کے باشندے تھے، اور اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے ماموں زاد بھائی تھے۔
بچپن ہی میں آنکھیں جاتی رہی تھیں اور نابینا ہوگئے تھے۔ پھر جب ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مدینہ طیبہ میں جا کر مقیم ہوگئے تھے۔ قرآنِ کریم کی دو آیتیں آپ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔
سورۂ نساء کی آیت نمبر ۹۵ شروع میں اس طرح تھی:
لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
مہاجرین میں سے جو لوگ جہاد سے بیٹھے ہوئے ہوں (یعنی جہاد نہ کریں) وہ اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہوسکتے۔
اس آیت کے نزول پر حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو تشویش ہوئی کہ وہ اپنی آنکھوں کے عذر کی وجہ سے جہاد میں حصہ نہیں لے سکتے تھے۔
چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بینائی کا عذر بیان کیا۔
اس پر اسی آیت کا یہ ٹکڑا نازل ہوا۔ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ (صحیح بخاری: ۴۵۹۳، ۹۴)
سوائے اُن لوگوں کے جن کو عذر ہو۔

اسی طرح ''سورۂ عبس'' کی ابتدائی آیات بھی آپ ہی کے بارے میں نازل ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے سرداروں کو تبلیغ فرما رہے تھے کہ حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے آئے اور نابینا ہونے کی بنا پر یہ نہ دیکھ سکے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کون لوگ بیٹھے ہیں۔

اس لئے بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے سوال کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سمجھ کر ان سے بے تکلفی ہے) اُن سے رُخ پھیر لیا اور اس شخص کو تبلیغ کرنے میں مصروف رہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

عَبَسَ وَتَوَلّٰیٓ O اَنْ جَآءَ هُ الْاَعْمٰی O وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّهٗ یَزَّکّٰیٓ O اَوْیَذَّکَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّکْرٰی O اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی O فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی O وَمَا عَلَیْکَ اَلَّا یَزَّکّٰی O وَاَمَّا مَنْ جَآءَکَ یَسْعٰی O وَهُوَیَخْشٰی O فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی O

چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ موڑ لیا، اس بات سے کہ اُن کے پاس نابینا آیا، اور آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ (آپ کے جواب سے) پاک ہو جاتا، یا نصیحت قبول کرتا، اور نصیحت اس کے لئے نفع بخش ہوتی۔ جو شخص استغناء کا معاملہ کرتا ہے، اس کی تو آپ فکر میں پڑتے ہیں، اور وہ شخص جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا ہے، اور وہ (اللہ سے) ڈرتا بھی ہے، اُس سے بے اعتنائی کرتے ہیں۔

ان آیات میں ''نابینا'' سے مراد حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ ہی ہیں، اور ان کی فضیلت کے لئے یہی کیا کم ہے کہ قرآنِ کریم نے ان کی خشیت الٰہی کی گواہی دی ہے۔

مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد وغیرہ کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اکثر حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ ہی کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب بنا کر تشریف لے جاتے تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ (الاصابہ، ص: ۵۱۶ و ۵۱۷، ج: ۲)

اگرچہ قرآنِ کریم نے آپ کو جہاد کی فرضیت سے مستثنیٰ قرار دے دیا تھا لیکن جہاد کا شوق اس قدر تھا کہ بہت سی لڑائیوں میں شامل ہوتے اور امیر لشکر سے یہ مطالبہ فرماتے کہ جھنڈا میرے سپرد کردو، کیونکہ میں نابینا ہونے کی وجہ سے بھاگ نہیں سکتا۔

(طبقات ابن سعد ص:۱۵۴، ج:۴)

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایران کے ساتھ شہرۂ آفاق جنگِ قادسیہ میں آپ بھی شامل ہوئے، آپ نے ایک سیاہ رنگ کا جھنڈا اُٹھایا ہوا تھا اور سینے پر زرہ پہنی ہوئی تھی۔ (طبقات ابن سعد، ص:۱۵۵، ج:۴)

جنگِ قادسیہ کے بعد آپ کے حالات معلوم نہیں ہیں، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ قادسیہ ہی میں شہید ہوگئے تھے، اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں سے مدینہ منورہ واپس آگئے تھے اور مدینہ طیبہ ہی میں آپ کی وفات ہوئی۔ (الاصابہ، ص:۵۱۶، ج:۲)

کتابوں میں آپ کے شام آنے کا تذکرہ مجھے تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملا، اس لئے یہ پتہ نہیں لگتا کہ دمشق کے اس قبرستان میں آپ کیسے مدفون ہوسکتے ہیں؟ اور اس قبر کی نسبت آپ کی طرف درست ہے یا نہیں؟

عبدیت ہی عبادت ہے

آسان راستہ اختیار کرنے میں عبدیت اور بندگی زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے بہادری نہیں دکھانی بلکہ شکستگی کا اظہار کرنا ہے کہ میں عاجز بندہ ہوں میں تو آسان راستہ اختیار کرتا ہوں۔ یہ بندگی ہے، اس بندگی کے اظہار کیلئے آسان راستہ اختیار فرماتے، اگر مشقت والے راستے کو اختیار فرماتے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اپنی بہادری دکھاتے۔ (اصلاحی مجالس ۳)

اُمُّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر

اِسی قبرستان میں ذرا سا چل کر ایک اور مزار ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اُم المؤمنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی آرام گاہ ہے۔

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اصل نام رملہ تھا، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے نکاح کا واقعہ بڑا عجیب ہے۔ یہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہو گئے تھے، لیکن اس سے پہلے وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے۔

اور جنگ بدر میں ابوجہل وغیرہ کے قتل ہو جانے کے بعد کفارِ مکہ کی سرداری انہی کے حصے میں آئی تھی، اور اسی لحاظ سے وہ غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے مدمقابل تھے۔

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا انہی ابوسفیان کی بیٹی تھیں، اور ابوسفیان نے ان کا نکاح عبید اللہ بن جحش سے کر دیا تھا۔ ابوسفیان کے گھر میں دن رات مسلمانوں کی مخالفت کے چرچے ہوتے تھے لیکن یہ اسلام کی حقانیت کی دل کشی تھی کہ ایسے دشمن گھرانے میں ابوسفیان کی یہ بیٹی اور داماد دونوں مسلمان ہو گئے۔

اس وقت اسلام قبول کرنا انواع و اقسام کے مصائب و آلام کو دعوت دینے کے مترادف تھا، اور ایسے گھرانے میں اسلام لانا تو اور زیادہ سنگین جرم تھا جہاں دن رات مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بندیاں ہوتی تھیں۔

چنانچہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش دونوں نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کا فیصلہ کیا، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اس وقت ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھی، یہ دونوں میاں بیوی بھی حبشہ جا کر مقیم ہو گئے۔ وہیں پر ان دونوں کی بیٹی حبیبہ پیدا ہوئیں جن کی نسبت سے آپ کو اُم حبیبہ کہا جاتا ہے۔

ایک رات حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سوئیں تو خواب میں دیکھا کہ ان کے شوہر عبید اللہ بن جحش کا چہرہ بری طرح مسخ ہو گیا ہے، یہ گھبرا کر اٹھیں اور دل میں سوچنے لگیں کہ شاید عبید اللہ بن جحش کی حالت میں کوئی برا تغیر آنے والا ہے۔ شوہر سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگا: ''میں نے تمام مذاہب پر غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عیسائی مذہب سے بہتر کوئی مذہب نہیں، چنانچہ میں عیسائی ہو گیا ہوں''۔

اندازہ کیجئے یہ الفاظ سن کر حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو کیسا دھچکا لگا ہوگا؟ انہوں نے جلدی سے عبید اللہ کو اپنا خواب سنا کر ارتداد سے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن ہدایت اس کے مقدر میں نہ تھی، اُس نے خواب کی بات کو بے پروائی سے ٹلا دیا، اور شراب نوشی میں مشغول ہو گیا اور اسی ارتداد کی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس وقت حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بے چارگی اور کسمپرسی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، وہ اسلام کی خاطر اپنے باپ بھائیوں اور پورے خاندان سے کٹ چکی تھیں، انہوں نے اپنے وطن کو بھی خیر باد کہہ دیا تھا، لے دے کر ایک شوہر اس پردیس میں مونس وغم خوار ہو سکتا تھا، لیکن وہ مرتد بھی ہو گیا اور چند دن میں اس کا انتقال بھی ہو گیا۔

اب یہ اس دیارِ غربت میں تن تنہا رہ گئی تھیں۔

اس کسمپرسی کی حالت میں ایک رات سوئیں تو خواب میں دیکھا کہ کوئی پکارنے والا انہیں ''اُم المؤمنین'' کہہ کر پکار رہا ہے، اس خواب کی تعبیر انہوں نے یہ لی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح فرمائیں گے۔

ابھی اس خواب کو دیکھے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی،

دیکھا تو حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی ایک کنیز (جس کا نام ابرہہ تھا) بادشاہ کا پیغام لے کر آئی ہے، کنیز نے کہا کہ: ''مجھے بادشاہ نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ میرے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ خدمت سونپی ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے نکاح کا انتظام کردوں۔ لہٰذا آپ کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنادیں تاکہ وہ آپ کی طرف سے نکاح کر سکے۔''

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر بہت خوش ہوئیں اور اس خوشی میں جو زیور پہنے ہوئے تھیں وہ سب اتار کر کنیز کو دے دیا، اور حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیج کر انہیں اپنا وکیل مقرر فرمادیا۔

نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کو جمع کیا اور خطبہ دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو دینار مقرر کر کے اُسی وقت حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا، حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے وکیل کی حیثیت سے نکاح کو قبول کیا۔ نکاح کے بعد جب سب لوگ اُٹھ کر جانے لگے تو نجاشی نے کہا کہ: ''ذرا ٹھہریئے! انبیائے کرام کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی کرتے ہیں'' چنانچہ کھانا منگوایا گیا، اس کے بعد سب رخصت ہوئے۔

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے مہر میں چار سو دینار دیئے گئے تھے، میں نے ان میں سے سو دینار ابرہہ کو مزید انعام کے طور پر دینے چاہے۔

لیکن اس کنیز نے کہا کہ مجھے بادشاہ نے آپ سے کچھ لینے سے منع کر دیا، اور جو زیور آپ نے دیئے تھے وہ بھی آپ کو واپس کرنے کی تاکید کی ہے، اس کے بدلے انہوں نے مجھے از خود بہت انعام دے دیا ہے۔

نجاشی (رضی اللہ عنہ) نے اس کے بعد حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بہت سے تحفے بھیجے جن میں شاہی خوشبوئیں بھی شامل تھیں، اور نہایت اعزاز و

اکرام کے ساتھ آپ کو مدینہ طیبہ بھیجنے کا بندوبست فرمایا، جب حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ جانے لگیں تو ابرہہ کنیز نے آکر آپ سے کہا کہ ''میں بھی مسلمان ہوچکی ہوں اور میری طرف سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کر دیجئے گا۔'' حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے سلام پہنچانے کا وعدہ کیا اور رخصت ہوگئیں۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر انہوں نے حسب وعدہ ابرہہ کا سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا واقعہ سن کر تبسم فرمایا اور ابرہہ کو دعائیں دیں۔ (طبقات ابن سعد، ص:۹۷، ۹۸، ج:۸)

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا اس واقعے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ اور اُم المؤمنین بن چکی تھیں، دوسری طرف ان کے والد ابوسفیان بدستور مسلمانوں کے سب سے بڑے مدمقابل بنے ہوئے تھے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر جنگ بندی کا معاہدہ ہوا تھا، خود کفارِ مکہ نے اس کی خلاف ورزی کر کے اسے توڑ دیا، صلح ختم ہوگئی اور ابوسفیان کو اندازہ ہوا کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت مکہ مکرمہ پر حملہ آور ہوسکتے ہیں۔ اس لئے وہ جنگ بندی کی مدت میں توسیع کی تجویز لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجویز مسترد کردی۔

اس موقع پر انہیں خیال ہوا کہ اپنی بیٹی (حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا) کے پاس جاکر ان سے سفارش کروائیں، دُنیا کے عام قاعدے کے مطابق اُن کی یہ توقع بے جا بھی نہیں تھی کہ بیٹی اپنے شوہر صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور سفارش کریں گی۔

چنانچہ ابوسفیان حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے۔ ابتدائی ملاقات کے بعد جب وہ بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جلدی سے آگے بڑھ کر بستر تہہ کردیا۔ ابوسفیان نے پوچھا:

''یہ بستر میرے لائق نہیں، یا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں؟''

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ ابھی تک کفر وشرک کی نجاست میں مبتلا ہیں''۔

ابوسفیان اپنی بیٹی کا یہ جواب سن کر تلملا گئے، اور بولے:

''تمہارے اندر مجھ سے جدا ہونے کے بعد کتنا تغیر آ گیا؟''

یہ تھیں حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تیس چالیس سال زندہ رہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے بھائی تھے، اسی لئے ان کا لقب ''خالُ المؤمنین'' (مسلمانوں کے ماموں) مشہور ہو گیا۔

جب وہ خلیفہ بنے تو حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا ان سے ملاقات کے لئے دمشق تشریف لائیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بہت سے فقہی مسائل حاصل کئے، اور متعدد احادیث اُن سے روایت فرمائیں۔ اتنی بات تو تاریخ سے ثابت ہے۔

پھر بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا دمشق ہی میں مقیم ہو گئی تھیں، یہیں آپ کا انتقال ہوا اور ''الباب الصغیر'' میں تدفین ہوئی۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ''الباب الصغیر'' کی قبروں میں آپ کی قبر کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ (تاریخ ابن عساکر، ص: ۲۶۴، ج ۱)

لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سختی سے تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ آپ کی قبر دمشق میں نہیں، مدینہ منورہ میں ہے۔

(سیر اعلام النبلاء، ص: ۲۲۰، ج ۲) واللہ سبحانہ اعلم

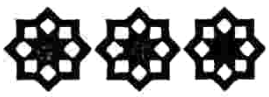

حضرت اسماءؓ بنت یزید رضی اللہ عنہا کے مزار پر

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کی طرف جو مزار منسوب ہے، اسی کے قریب ایک اور قبر پر لکھا ہے کہ یہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے، اس سے عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا مزار ہے جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے ہیں چنانچہ لوگوں نے ہمیں یہی بتایا۔

احقر کو یہ بات اس لئے درست معلوم نہیں ہوتی تھی کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا مزار مدینہ منورہ میں بتایا جاتا ہے، اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے دمشق میں مدفون ہونے کے کوئی معنی اس لئے نظر نہیں آتے کہ اُن کا دمشق آنا کہیں تواریخ میں مذکور نہیں۔ بعد میں حافظ شمس الدین ذھبی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سِیر اَعلام النبلاء'' میں نظر سے گزرا کہ دمشق کے الباب میں الصغیر میں جو خاتون ''اُم سلمہ'' کے نام سے مدفون ہیں وہ اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نہیں، بلکہ ایک انصاری صحابیہ حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ص: ۲۲۰، ج: ۲)

ان کی کنیت بھی چونکہ اُم سلمہ تھی، اس لئے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی چچازاد بہن ہیں، یہ بڑے پائے کی مقررہ تھیں، اس لئے ان کا لقب ''خطیبۃ النساء'' مشہور ہوگیا تھا۔ انہوں نے متعدد احادیث بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں روم کی فوجوں سے یرموک کے مقام پر جو فیصلہ کن معرکہ ہوا اس میں یہ دوسری مسلم خواتین کے ساتھ شریک تھیں۔

یہ خواتین اپنے زخمی رشتہ داروں کی مرہم پٹی وغیرہ کے لئے جایا کرتی تھیں، اور جنگ کے سخت موقع پر مسلمانوں کی ہمت بھی بڑھایا کرتی تھیں۔

لیکن غزوۂ یرموک کے موقع پر ایسے گھمسان کی جنگ ہوئی کہ خواتین کو اپنے دفاع کے لئے دست بدست لڑائی میں بھی حصہ لینا پڑا۔

اس موقع پر حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا نے اپنے خیمے کے ستون سے نو رومی فوجیوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔ (الاصابہ، ص:۲۲۹، ج:۴) رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارضاہا

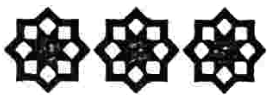

مؤمن و کافر کا نظریاتی فرق

ایک کافر اور مؤمن میں یہی فرق ہے کہ کافر اپنی ساری زندگی کا بنیادی مسئلہ اس کو سمجھتا ہے کہ میری پیدائش سے لے کر مرتے دم تک میرے کھانے کمانے کا کیا انتظام ہے، اس سے آگے اس کی سوچ اور فکر نہیں جاتی۔ لیکن ایک مسلمان کو قرآن و حدیث یہ تعلیم دیتے ہیں کہ بیشک معاشی سرگرمیوں کی تمہیں اجازت ہے، لیکن یہ تمہاری زندگی کا بنیادی مقصد نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ زندگی تو خدا جانے کتنے دنوں کی ہے، آج بھی ختم ہو سکتی ہے، کل بھی ختم ہو سکتی ہے۔ ہر لمحے اس زندگی کے ختم ہونے کا امکان موجود ہے۔ آج تک کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے موت سے انکار کیا ہو، خدا کا انکار کرنے والے دُنیا میں موجود ہیں لیکن موت سے انکار کرنے والا کوئی نہیں۔ اس دنیا سے ضرور جانا ہے۔ اور اگر تم مسلمان ہو تو یقیناً تمہارا یہ اعتقاد ہوگا کہ مرنے کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے۔ وہ زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں، وہ ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔ (اصلاحی خطبات ۹)

حضرت اسماءؓ بنت عمیسؓ رضی اللہ عنہا کے مزار پر

یہیں پر ''اسماء'' نام کی ایک خاتون کا مزار ہے، یعنی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا۔ یہ بھی مشہور صحابیہ ہیں، اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی ماں شریک بہن ہیں، اور بالکل ابتدا میں اسلام لے آئی تھیں، ان کا نکاح حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے ہوگیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تو یہ ان کے ساتھ تھیں۔ ۷ھ میں اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ سے واپس مدینہ طیبہ آئیں، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نکاح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کرادیا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئیں تو ذوالحلیفہ کے مقام پر ان کے یہاں ولادت ہوئی اور محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، اس کے باوجود انہوں نے اِحرام باندھ کر حج کا سفر جاری رکھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مرضِ وفات میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہی ان کی تیمارداری فرماتی تھیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں اور ان سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔ ایک مرتبہ ان کے دو بیٹوں محمد بن اَبی بکر رضی اللہ عنہ اور محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ کے درمیان بحث ہوگئی۔

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افضل ہیں اور محمد بن جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرے والد یعنی جعفر طیار رضی اللہ عنہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''تم فیصلہ کرو''۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

''میں نے عرب کا کوئی جوان جعفر رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا اور کوئی اُدھیڑ شخص ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں پایا''۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم نے ہمارے لئے تو کچھ چھوڑا ہی نہیں، لیکن تم نے جو جواب دیا ہے اگر تم اس کے سوا کچھ اور جواب دیتیں تو میں ناراض ہو جاتا۔''

اس پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''کہ یہ تین حضرات جن میں آپ سب سے کمتر ہیں، سبھی اچھے لوگ ہیں۔'' (طبقات ابن سعد، ص:۲۸۵، ج:۸)

مقصد زندگی آخرت ہے

اگر انسان بھی صرف کھانے پینے کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو انسان میں اور جانور میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے سارے جانوروں کے لئے رزق کے دروازے کھولے ہیں، وہ بھی کھاتے پیتے ہیں، لیکن انسان کو جانوروں سے جو امتیاز عطا فرمایا ہے، وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے، اور اس عقل کے ذریعہ وہ یہ سوچے کہ آئندہ آنے والی زندگی ایک دائمی زندگی ہے۔ اور وہ زندگی اس موجودہ زندگی پر فوقیت رکھتی ہے۔

بہرحال، اس دوسرے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتادیا کہ دنیا سے اپنا حصہ مت بھولو، لیکن یہ یاد رکھو کہ زندگی کا اصل مقصود دار آخرت ہے۔ اور یہ جتنی معاشی سرگرمیاں ہیں، یہ راستے کی منزل ہیں، یہ خود منزل مقصود نہیں۔ (اصلاحی خطبات ۹، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت نُورُالدّین زنگی رحمہ اللہ کے مزار پر

جامع اُموی سے نکلے تو مسجد کے بالکل برابر تاریخِ اسلام کے بطلِ جلیل نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار تھا، وہاں سلام عرض کرنے اور فاتحہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ اسلام کے ان چند فرمانرواؤں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے عدل و انصاف، رعایا دوستی، عزم و شجاعت اور حسن انتظام میں خلافتِ راشدہ کے زمانے کی یادیں تازہ کیں۔ اتابکی خاندان کے اس اولوالعزم مجاہد کی پوری زندگی صلیب برداروں کے ساتھ میدانِ جہاد میں گزری۔

اور اس نے اپنی جانبازی کے ذریعے نہ جانے کتنی بار جرمنی، فرانس اور یورپ کی دوسری طاقتوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سلجوقی حکومت زوال پذیر ہو چکی تھی، عباسی خلافت طرح طرح کے فتنوں کا شکار تھی، اور یورپ کی صلیبی طاقتیں مسلمانوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عالم اسلام کو ہضم کرنا چاہتی تھیں۔

اس نازک موقع پر سب سے پہلے نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے والد عمادالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بعد نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ نے اُمت مسلمہ میں ایک نئی بیداری پیدا کی اور یورپی سازشوں کو ناکام بنا کر چھوڑا۔

نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی فتوحات اور کارناموں کی تفصیل کے لئے ایک پوری کتاب درکار ہے، یہاں ان کی تفصیلات کا موقع نہیں ہے، لیکن علامہ ابن اثیر جزری رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے پائے کے مؤرخ اور محدث ہیں، اور نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں انہوں نے اپنی تاریخ میں نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے عہدِ

حکومت پر جو مجموعی تبصرہ کیا ہے وہ یہاں نقل کئے بغیر رہا نہیں جاتا۔

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''میں نے اسلامی عہد کے پہلے کے فرماں رواؤں سے لے کر اس وقت تک تمام بادشاہوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا مگر خلفائے راشدین اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سوا نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ سے بہتر فرماں روا میری نظر سے نہیں گزرا۔

اس نے عدل وانصاف کی اشاعت، جہاد اور ظلم وجور کے استیصال، عبادت وریاضت اور احسان وکرم کو مقصدِ زندگی بنالیا تھا۔ اسی میں اس کے لیل ونہار بسر ہوتے تھے، اگر کسی پوری قوم میں بھی اسکے اور اسکے باپ کے جیسے دو فرماں روا گزرے ہوتے تو بھی اس قوم کے فخر کیلئے کافی نہ تھا، نہ کہ ایک گھرانے میں خدا نے دو فرماں روا پیدا کر دیئے۔ ممالکِ محروسہ میں جس قدر ناجائز ٹیکس تھے سب موقوف کر دیئے تھے۔ وہ مظلوم کے ساتھ خواہ وہ کسی درجے کا ہو، پورا انصاف کرتا تھا، مظلوموں کی شکایتیں براہِ راست سنتا تھا۔''

''ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی زمین کے بارے میں اس پر دعویٰ دائر کیا، عدالت کا چپڑاسی عین اس وقت جب کہ سلطان گوے وچوگان کھیل رہا تھا، پہنچا۔ سلطان فوراً اس کے ہمراہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہوگیا۔ تحقیقات سے جائیداد مدعی کے بجائے نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی ثابت ہوئی، اس لئے قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس فیصلے کے بعد نورالدین نے متنازعہ جائیداد اپنی طرف سے مدعی کو ہبہ کر دی''۔ (کامل ابن اثیر، ماخوذ از تاریخ اسلام مولانا معین الدین ندوی، ص ۲۵۲، ۲۵۳، ج:۴)

ایک عدیم المثال واقعہ

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''انبیاء کی سرزمین میں'' تحریر فرمایا: سلطان نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عدیم المثال واقعہ یہ ہے کہ ایک رات وہ معمول کے مطابق تہجد کی نماز پڑھ کر سویا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت نصیب ہوئی، دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو بھورے رنگ کے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں:

اَنْجِدْنِیْ، اَنْقِذْنِیْ مِنْ ھٰذَیْنِ۔

میری مدد کو پہنچو، مجھے ان دو سے بچاؤ۔

سلطان کی گھبرا کر آنکھ کھلی، وضو کیا اور نماز پڑھ کر دوبارہ سویا تو بعینہٖ وہی خواب پھر دیکھا، سلطان پھر جاگ اٹھا، وضو کر کے نماز پڑھی اور پھر سویا تو تیسری بار بھی وہی خواب دیکھا، اب تو نیند غائب ہو چکی تھی۔

اسی وقت اپنے وزیر جمال الدین موصلی کو طلب کر کے سارا واقعہ سنایا، یہ وزیر بڑا پاک باز، دین دار اور وفادار تھا، اس نے سنتے ہی کہا: ''اب بیٹھنا کیسا؟ آپ کو اسی لمحے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو جانا چاہیے، مگر کسی پر یہ واقعہ ظاہر نہ فرمائیں۔''

سلطان نے اسی رات کے باقی حصے میں سفر کی تیاری کی اور وزیر کے ساتھ تیز رفتار اونٹنیوں پر روانہ ہو گیا، بہت سا مال اور بیس آدمی بھی ساتھ لے لئے۔ دمشق سے مدینہ منورہ کا سفر جو ایک ماہ میں طے ہوتا تھا، سلطان نے صرف ۱۶ دن میں طے کر لیا اور صبح کے وقت غسل کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔

سب سے پہلے ریاض الجنۃ میں نماز ادا کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، اور بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟

اہلِ مدینہ مسجد شریف میں جمع ہو گئے تھے، وزیر نے اُن کو بتایا کہ سلطان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں اور تقسیم کرنے کے لئے بہت سا مال لائے ہیں، آپ یہاں کے سب لوگوں کے نام لکھ کر دے دیں۔

اہلِ مدینہ نے فہرست تیار کر کے پیش کر دی، سلطان نے سب کو ایک ایک کر کے بلانا شروع کیا، جو جو بھی آتا گیا اُسے بغور دیکھتے رہے، اور مال دے دے کر واپس کرتے رہے، سب لوگ فارغ ہو گئے۔

مگران میں کوئی شخص بھی ان دو میں سے نہ تھا جو خواب میں دکھائے گئے تھے۔

سلطان نے پوچھا: کیا کوئی آدمی اپنا حصہ لینے سے رہ گیا ہے؟ لوگوں نے انکار کیا تو سلطان نے کہا: سوچو، غور کرو، شاید کوئی رہ گیا ہو۔

اس پر لوگوں نے بتایا کہ مغرب (اسپین) کے دو آدمیوں کے سوا کوئی باقی نہیں رہا، مگر وہ دونوں کسی سے کوئی چیز لیتے نہیں، وہ نیک اور مالدار ہیں، اور غریبوں کو وہ خود ہی بہت صدقات وخیرات دیتے رہتے ہیں۔

دو پُراسرار بھورے آدمی!

سلطان نے یہ سن کر قدرے اطمینان کا سانس لیا اور دونوں کو بلوایا، دیکھا تو یہ وہی دو شخص تھے جن کی طرف اشارہ کر کے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ:

اَنْجِدْنِیْ، اَنْقِذْنِیْ مِنْ هٰذَیْنِ.

سلطان نے پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم مغربی ملک (اسپین) سے آئے ہیں، حج کرنے آئے تھے، پھر یہاں اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہنے کا ارادہ کرلیا۔ سلطان نے کہا: ''مجھے سچ بتاؤ'' اس پر وہ بالکل خاموش ہو گئے۔ سلطان نے پوچھا: ''ان کی رہائش گاہ کہاں ہے؟'' بتایا گیا حجرۂ شریفہ (روضۂ اقدس) کے برابر ایک مکان میں رہتے ہیں۔

سلطان ان دونوں کو ساتھ لے کر ان کے گھر پہنچا تو وہاں بہت سا مال و دولت اور کچھ کتابوں وغیرہ کے سوا کچھ نظر نہ آیا، اہلِ مدینہ نے سلطان کے سامنے ان دونوں کی بہت تعریف کی کہ ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں، نمازیں پابندی سے ریاض الجنۃ میں ادا کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے پابندی سے حاضر ہوتے ہیں، روزانہ صبح کو جنت البقیع کے قبرستان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں اور ہر سنیچر کو (ہفتہ کے روز) قباء کی زیارت کو جاتے ہیں، کسی مانگنے والے کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے، حتیٰ کہ اس قحط سالی کے زمانے میں تو انہوں نے اہلِ مدینہ کی بہت ضرورتیں پوری کیں۔

مجرم پکڑے گئے

سلطان خاموشی سے یہ باتیں سنتا اور اس گھر میں گھومتا رہا، فرش پر ایک چٹائی بچھی تھی، سلطان نے اسے اٹھایا تو اس کے نیچے ایک سرنگ کھدی ہوئی نظر آئی، جو حجرۂ شریفہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) تک پہنچ چکی تھی! اب تو لوگ گھبرا اٹھے، سلطان نے ان دونوں کی خوب پٹائی کی اور کہا: ''ساری بات سچ سچ بتاؤ۔''

اب انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ درحقیقت عیسائی ہیں، ان کے ہم مذہب لوگوں نے انہیں اندلسی (اسپینی) حاجیوں کے بھیس میں یہاں بہت سا مال دے کر بھیجا ہے، تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک (نعوذ باللہ) پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (خاکم بدہن) یہاں سے نکال کر اپنے ناپاک دلوں کی بھڑاس نکالیں!

انہوں نے بتایا کہ وہ رات کو سرنگ کی کھدائی کرتے تھے اور جمع شدہ مٹی کو چمڑے کے تھیلوں میں بھر کر جنت البقیع کی زیارت کے بہانے وہاں جا کر قبروں کے درمیان پھیلا دیتے تھے، یہ سلسلہ مدت سے جاری تھا کہ آج رات جیسے ہی ہم ''حجرۂ شریفہ'' کے قریب پہنچے تو اچانک بادل گرجنے اور بجلی کڑکنے لگی، سخت زلزلہ آیا اور یوں لگا جیسے پہاڑ اُکھڑ جائیں گے، یہاں تک کہ صبح کو آپ پہنچے۔

سلطان یہ سب سن کر اللہ تعالیٰ کے حضور بہت رویا کہ اس نے اس عظیم خدمت کے لئے اس کا انتخاب فرمایا۔ پھر ان دونوں بدنصیبوں کے سر قلم کروا دیئے، ان کو حجرۂ شریفہ کے قریب والے اُس روشن دان کے نیچے قتل کیا گیا جو بقیع کی طرف کھلتا تھا، اور حجرۂ شریفہ کے گرد گہری خندق پانی کی سطح تک کھدوا کر اُس کو پگھلے ہوئے سیسے سے بھروا دیا، اس طرح حجرۂ شریفہ کے گرد سیسے کی ایسی فصیل قائم کر دی جو پانی کی سطح تک پہنچی ہوئی ہے۔ یہ خدمت انجام دے کر سلطان دمشق واپس آ گیا اور اب یہیں جامع اُموی کے برابر میں آرام کی نیند سو رہا ہے۔ (انبیاء علیہم السلام کی سرزمین میں)

اقتدار کی کرسی پر ہزار ہا افراد آئے اور چلے گئے لیکن بہت کم لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس کرسی کو اپنی آخرت کی تیاری کے لئے استعمال کیا ہو، اور اپنے کارناموں کی بنا پر زندۂ جاوید ہو گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر اپنی غیر محدود رحمتیں نازل فرمائے، وہ ایسے ہی صاحب اقتدار تھے۔ اُن کے مزار پر حاضری کے وقت عقیدت و محبت کے جذبات لفظ و بیان سے ماوراء تھے۔

دورِ حاضر کا اَلمیہ

آج ہمارے دلوں سے گناہوں کی نفرت مٹتی جا رہی ہے... اور گناہ کے گناہ ہونے کا احساس ختم ہو رہا ہے... اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے... کہ ہمارے مال میں حرام مال کی ملاوٹ ہو چکی ہے... پھر ایک تو وہ حرام ہے جو کھلا حرام ہے جس کو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حرام ہے... جیسے رشوت کا مال... سود کا مال... جوا کا مال... دھوکے کا مال... چوری کا مال وغیرہ... لیکن حرام کی دوسری قسم وہ حرام ہے جس کے حرام ہونے کا ہمیں احساس ہی نہیں ہے... حالانکہ وہ بھی حرام ہے... اور وہ حرام چیز ہمارے کاروبار میں مل رہی ہے۔ (اصلاحی خطبات ۹، جواہرات شیخ الاسلام)

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے مزار پر

یہیں جامع اُموی کے قریب دوسرا مقبرہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، وہاں بھی حاضری ہوئی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے۔ وہ نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے قابل ترین جرنیلوں میں سے تھے نور الدین رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ان کے چچا شیرکوہ کے ساتھ ایک جنگی مہم پر مصر روانہ کیا تھا، وہاں انہوں نے اپنی بہترین جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، فرنگیوں کے متعدد حملے انہوں نے پسپا کئے۔

بالآخر وہ نور الدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مصر کے حکمران بن گئے اور انہی کی کوششوں کے نتیجے میں مصر سے فاطمی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ نور الدین زنگی (جن کا پایۂ تخت شام تھا) کی وفات کے بعد اہلِ شام نے انہیں شام کی حکومت سنبھالنے کی دعوت دی، اور اس طرح وہ بیک وقت مصر اور شام دونوں کے حکمران بن گئے۔

اپنے عہدِ حکومت کے دوران انہوں نے ایک طرف بے شمار تعمیری خدمات انجام دیں اور دوسری طرف یہی وہ دور تھا جب عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کی پے در پے مہمات شروع کر رکھی تھیں، سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے ان جنگوں میں یورپ کی طاقتوں کے دانت کھٹے کئے، اسی زمانے میں بیت المقدس پر عیسائی قابض تھے، سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے ۵۸۳ھ میں مسلمانوں کا قبلۂ اول اُن کے تسلط سے چھڑا کر وہاں اسلام کا پرچم لہرایا اور شام کے جتنے علاقوں پر اہل صلیب قابض ہوئے تھے وہ سب ان سے آزاد کرائے۔

ان کی بھی ساری زندگی میدانِ جہاد میں گزری، وہ بھی عدل وانصاف اور صلاح و تقویٰ میں نورالدین زنگی رحمۃ اللہ علیہ کے سچے جانشین تھے۔

انہوں نے مصر میں ۲۴ سال اور شام میں ۱۹ سال حکومت کی۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''انبیاء کی سرزمین میں'' تحریر فرمایا: انہوں نے مصر سے نہ صرف عیسائی فوجوں کا صفایا کیا، بلکہ فرقۂ باطنیہ نے مصر میں اپنے دوسو سات (۲۰۷) سالہ دور میں ظلم وستم، قتل وغارت گری، شورشوں، سازشوں اور بغاوتوں سے اور اسلام کے شرعی احکام میں رَدّوبدل کر کے ملک وملت کو جو شدید نقصانات پہنچائے تھے، ان کی بھی تلافی کی، اور مصر کی اسلامی حکومت میں عدل وانصاف، امن وامان اور شرعی اَحکام کو صحیح صورت میں نافذ کر دیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا یہ تاریخی کارنامہ بھی عظیم الشان ہے کہ ملکِ مصر جو دوسو سات (۲۰۷) سال تک خلافتِ اسلامیہ (عباسیہ) سے منقطع بلکہ اُس کا حریف بنا رہا تھا، اسے دوبارہ خلافتِ عباسیہ کی حدود میں داخل کر دیا۔

میں اپنے شام کے جس سفر کا یہ حال لکھ رہا ہوں، اس سفر کے تقریباً ۹ ماہ بعد (اپریل ۲۰۰۵ء میں) زندگی میں پہلی بار میرا مصر کا سفر ہوا تو قاہرہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا قلعہ بھی دیکھنے کا موقع ملا، جس کی کئی کلومیٹر میں پھیلی ہوئی پُرشکوہ فصیلیں اور بُرج آج بھی اپنے مثالی حکمران کے دبدبے اور جاہ وجلال کی داستانیں سنا رہی ہیں۔

اِسلامی غیرت وحمیت

ایک موقع پر ''کرک'' کے عیسائی حکمران ''ریجی نالڈ'' سے سلطان کو صلح کرنے کی نوبت بھی آئی، کرک کا یہ علاقہ اب اُردن میں ہے، ریجی نالڈ نے بدعہدی کی، حاجیوں کا ایک قافلہ اس نے اپنے علاقے سے گزرتے ہوئے لوٹ لیا اور قافلے کے لوگوں کو گرفتار کر لیا، سلطان نے اسے تنبیہ کی، ریجی نالڈ نے پروانہ کی، اور قافلے کے

لوگوں سے کہا: تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھتے ہو، اس سے کیوں نہیں کہتے کہ وہ آ کر تمہیں چھڑا لے۔ سلطان کو اس ناپاک جملے کی خبر پہنچی، اس نے قسم کھا کر عہد کیا کہ اس بدعہد گستاخ کو اللہ نے چاہا تو اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔

سلطان نے بلا تاخیر کرک اور اس کے پاس کے کئی شہروں اور علاقوں پر مختلف سمتوں سے حملے کئے، ہر جنگ میں عیسائی فوجوں کو بری طرح شکست دیتا چلا گیا، اور ایک گھمسان کی جنگ میں یروشلم کے بادشاہ سمیت تمام بڑے بڑے حکمرانوں کو گرفتار کرلیا۔ یہ تمام معزز قیدی سلطان کی خدمت میں پیش کئے گئے، سلطان نے ہر ایک کو اس کے رتبے کے مطابق جگہ دی، یروشلم کے بادشاہ کو اپنے پاس بٹھایا، ریجی نالڈ بھی پیش ہوا، سلطان نے اپنے ہاتھ سے اس گستاخ کا سر قلم کیا۔

ایک مرتبہ سلطان سخت ایسا بیمار ہوا کہ اُس کے پیٹ سے لے کر گھٹنوں تک پھوڑے ہی پھوڑے نکل آئے، بیٹھنے پر قدرت نہ رہی، جب خیمے میں آتا تو ایک کروٹ پر سہارا لے کر نیم دراز ہو جاتا، اس لئے کھانا کھانا بھی سخت مشکل ہو گیا، لیکن اس حالت میں بھی اُس کے اس معمول میں فرق نہ آیا کہ وہ روزانہ صبح سویرے گھوڑے پر سوار ہو کر نمازِ ظہر تک، اور عصر سے لے کر مغرب تک اپنے سرکاری اور جہادی مشاغل میں مشغول رہتا، اس کے ساتھیوں کا بیان ہے کہ ہمیں اس پر تعجب ہوتا تھا کہ وہ ان پھوڑوں کی اکڑاہٹ اور درد کی لہروں کو کیسے برداشت کرتا ہوگا، مگر سلطان کا کہنا تھا کہ: ”جب میں گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہوں تو ان پھوڑوں کی تکلیف غائب ہو جاتی ہے، اور جب تک سواری سے نہ اتروں یہ تکلیف میرے پاس نہیں آتی۔“ یہ اللہ تعالیٰ کی اس پر خاص عنایت تھی۔ انہوں نے ستاون (۵۷) سال کی عمر میں وفات پائی۔ (انبیاء علیہم السلام کی سرزمین میں)

لیکن جب ۵۸۹ھ میں ان کی وفات ہوئی تو ان کے ترکے میں نہ کوئی زمین جائیداد تھی، نہ کوئی نقدی یا سونا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ (الاعلام للزرکلی، ص:۲۹۲، ج:۹)

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کو دنیا سے رخصت ہوئے آٹھ

سو سال سے زائد ہو چکے ہیں آج پھر مسلمانوں کا قبلۂ اول اُن سے چھین لیا گیا ہے اور آج پھر امت مسلمہ کسی صلاح الدین کے انتظار میں ہے، اور پورا عالم اسلام زبانِ حال سے پکار رہا ہے کہ۔

اے سوارِ اشہب دوراں ! بیا اے فروغِ دیدۂ امکاں ! بیا

قناعت کی دولت

یہ قناعت بڑی دولت ہے... اس سے بڑی دولت کوئی اور چیز نہیں... آج لوگ روپے پیسے کو دولت سمجھتے ہیں کوٹھی... بنگلے کو اور مال واسباب کو دولت سمجھتے ہیں... یاد رکھئے! ان میں سے کوئی چیز دولت نہیں... اصل دولت ''قناعت ہے'' سامان کی کثرت اور مالداری کا نام غنی نہیں ہے بلکہ نفس کے غنی کا نام ''مالداری'' ہے ... کہ انسان کا دل بے نیاز ہو... کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے... کسی کے سامنے اپنی حاجت ظاہر نہ کرے اور ناجائز طریقوں سے دولت جمع کرنے کی فکر نہ کرے... بس جو کچھ ملا ہوا ہے اس پر مطمئن ہو اور جو کچھ نہیں ملا... اس پر یہ اطمینان ہو کہ وہ میرے حق میں بہتر نہیں تھا... اگر میرے حق میں بہتر ہوتا تو ملتا... نہیں ملا اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرے لئے اسی میں بہتری ہوگی۔ (جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ کے مزار پر

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ (جن کا نام عبدالرحمٰن بن احمد بن عطیہ العنسی) ہے، تبع تابعین میں سے ہیں، محدث بھی ہیں اور اونچے درجے کے اولیاء اللہ میں سے بھی ہیں۔ ولادت شام میں ہوئی تھی، پھر کچھ عرصے کے لئے عراق تشریف لے گئے، بعد میں پھر شام میں قیام فرمایا اور یہیں وفات ہوئی۔ آپ اکثر اوقات ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے، دعوت و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، امام ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کا تذکرہ چھبیس صفحات میں کیا ہے، اور اس میں آپ کے بہت سے ملفوظات ذکر فرمائے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) فرمایا کہ: ''دنیا اپنے سے بھاگنے والے کا پیچھا کرتی ہے، اگر وہ بھاگنے والے کو پکڑ لے تو زخمی کر کے چھوڑتی ہے، اور اگر طالبِ دنیا اسے پکڑ لے تو اسے قتل ہی کر ڈالتی ہے''۔

(۲) فرمایا کہ: ''وسوسوں اور خوابوں کی کثرت کمزور آدمی کو ہوتی ہے، اگر مکمل اخلاص پیدا ہو جائے تو خواب اور وسوسے دونوں بند ہو جائیں''۔ پھر اپنے بارے میں فرمایا کہ ''بعض اوقات مجھے کئی کئی سال گزر جاتے ہیں اور کوئی خواب نہیں آتا''۔

(۳) فرمایا کہ: ''اگر تم سے کبھی کوئی نفلی عبادت فوت ہو جائے تو اس کی بھی قضا کر لیا کرو، اس سے امید ہے کہ وہ آئندہ تم سے نہیں چھوٹے گی''۔

(۴) فرمایا کہ: ''بعض اوقات مجھے قرآن کریم کی صرف ایک آیت پر غور کرتے ہوئے پانچ پانچ راتیں گزر جاتی ہیں، اگر میں خود سے اس پر سوچنا نہ چھوڑوں تو اس سے آگے نہ بڑھ سکوں''۔

(۵) ایک شاگرد نے ایک مرتبہ آپ سے کہا کہ ”مجھے بنی اسرائیل پر رشک آتا ہے کہ ان کی عمریں بہت لمبی ہوتی تھیں، اور وہ اتنی عبادت کرتے تھے کہ ان کی کھالیں سکڑ کر پرانے مشکیزے کی طرح ہو جاتی تھیں“۔

حضرت دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”خدا کی قسم! اللہ ہم سے یہ نہیں چاہتے کہ ہماری کھالیں ہڈیوں پر خشک ہو جائیں، اللہ تعالیٰ ہم سے صدقِ نیت کے سوا کچھ نہیں چاہتے، اگر ہم میں سے کوئی شخص دس ہی دن میں یہ صدق پیدا کر لے تو اسے وہ درجہ مل سکتا ہے جو بنی اسرائیل کے کسی شخص نے پوری عمر میں حاصل کیا ہو“۔

(۶) فرمایا کہ: ”یہ نہیں کہ تم تو قدم جوڑے (نماز میں) کھڑے رہو اور کوئی دوسرا شخص تمہارے لئے روٹیاں بناتا رہے، بلکہ اپنی دو روٹی کا انتظام کر لو، پھر عبادت کرو“۔

(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم، ص: ۲۵۴، ج ۹)

مسجد میں داخل ہونے کے بعد مسجد کی ایک جانب حضرت دارانی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار تھا۔ وہاں حاضری ہوئی، انہی کے پہلو میں آپ کی اہلیہ اور آپ کے مشہور شاگرد احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں۔ احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے وہ خاص شاگرد ہیں جنہوں نے آپ کے بیشتر ملفوظات روایت کئے ہیں۔ محدثین میں بھی ان کا مقام بلند ہے، امام ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ ان کے شاگرد ہیں۔ (تہذیب التہذیب ص: ۳۰، ج ۴)

حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن ثوب رضی اللہ عنہ ہے اور یہ امت محمدیہ (علی صاحبہا السلام) کے وہ جلیل القدر بزرگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے آگ کو اسی طرح بے اثر فرما دیا جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتشِ نمرود کو گلزار بنا دیا۔ یہ یمن میں پیدا ہوئے تھے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہی اسلام لا چکے تھے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا موقع نہیں ملا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دور میں یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویدار اسود عنسی پیدا ہوا جو لوگوں کو اپنی جھوٹی نبوت پر ایمان لانے کے لئے مجبور کیا کرتا تھا۔

اسی دوران اس نے حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیج کر اپنے پاس بلایا اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا پھر اس نے پوچھا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے ہو؟''

حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں''۔

اس پر اسودِ عنسی نے ایک خوفناک آگ دہکائی اور حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ کو اس آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے آگ کو بے اثر فرما دیا، اور وہ اس سے صحیح سلامت نکل آئے۔ یہ واقعہ اتنا عجیب تھا کہ اسودِ عنسی اور اس کے رفقاء پر ہیبت سی طاری ہوگئی اور اسود عنسی کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ ان کو جلا وطن کردو، ورنہ خطرہ ہے کہ ان کی وجہ سے تمہارے پیروؤں کے ایمان میں تزلزل نہ آجائے، چنانچہ انہیں یمن سے جلا وطن کر دیا گیا۔

یمن سے نکل کر ایک ہی جائے پناہ تھی، یعنی مدینہ منورہ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چلے، لیکن جب مدینہ منورہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم روپوش ہو چکا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما چکے تھے اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن چکے تھے، انہوں نے اپنی اونٹنی مسجد نبوی کے دروازے کے پاس بٹھائی اور اندر آ کر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کر دی۔ وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ موجود تھے انہوں نے ایک اجنبی مسافر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان کے پاس آئے اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تو ان سے پوچھا: ''آپ کہاں سے آئے ہیں؟''

''یمن سے''۔ حضرت ابو مسلم نے جواب دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فوراً پوچھا: ''اللہ کے دشمن (اسودِ عنسی) نے ہمارے ایک دوست کو آگ میں ڈال دیا تھا، اور آگ نے ان پر کوئی اثر نہیں کیا تھا، بعد میں ان صاحب کے ساتھ اسود نے کیا معاملہ کیا؟''

حضرت ابو مسلم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ان کا نام عبداللہ بن ثوب ہے''۔

اتنی دیر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فراست اپنا کام کر چکی تھی، انہوں نے فوراً فرمایا: ''میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ ہی وہ صاحب ہیں؟''

حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''جی ہاں!''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن کر فرطِ مسرت و محبت سے ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، اور انہیں لے کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچے، انہیں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور اپنے درمیان بٹھایا اور فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے موت سے پہلے امتِ محمدیہ کے اس شخص کی زیارت کرا دی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسا معاملہ فرمایا تھا۔ (حلیۃ الاولیاء لأبی نعیم ص ۱۲۹، ج ۲ و تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۳۱۵ ج ۷)

حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ عبادت و زہد میں اپنی مثال آپ تھے۔ خود انہی کا یہ مقولہ ہے کہ: ''اگر میں جنت کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لوں تب بھی میرے پاس مزید کرنے کے لئے کوئی عمل نہیں اور اگر جہنم کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لوں تب بھی'' (ایضاً)

جہاد کا بھی بڑا شوق تھا لیکن جہاد کے سفر میں بھی روزہ رکھتے تھے کسی نے کہا کہ ''سفر میں روزہ رکھنے سے آپ بہت کمزور ہو جائیں گے'' جواب میں آپ نے فرمایا:

''وہی گھوڑے منزل کو پہنچتے ہیں جو چل چل کر دبلے ہو گئے ہوں''۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا:

''الحمد للہ! میں نے قضائے حاجت اور اہلیہ کے ساتھ خلوت کے سوا کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے بارے میں مجھے یہ فکر ہو کہ کہیں دوسرا نہ دیکھ لے۔''

حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ غلاموں کو بھی بہت آزاد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس صرف ایک کنیز رہ گئی تھی، ایک دن دیکھا کہ رو رہی ہے، آپ نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ ''آپ کے بیٹے نے مارا ہے'' آپ نے بیٹے کو بلایا اور کنیز سے پوچھا کہ: ''اس نے تمہیں کس طرح مارا تھا؟'' کنیز نے کہا: ''تھپڑ مارا تھا۔''

آپ نے فرمایا: ''تم بھی اس کو تھپڑ لگاؤ۔'' کنیز بولی: ''میں اپنے آقا کو نہیں مار سکتی''

حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''کیا تم نے اسے معاف کر دیا؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں!'' آپ نے فرمایا: ''دو گواہوں کے سامنے اقرار کرو'' جب دو گواہ آ گئے اور کنیز نے اقرار کر لیا تو آپ نے فرمایا: ''میں بھی ان گواہوں کے سامنے اعلان کرتا ہوں کہ یہ کنیز اللہ کی رضا جوئی کے لئے آزاد ہے۔''

لوگوں نے کہا کہ آپ نے صرف ایک تھپڑ کی وجہ سے کنیز کو آزاد کر دیا جبکہ آپ کے پاس کوئی دوسری خدمت گار موجود نہیں ہے''۔ آپ نے فرمایا: ''چھوڑو بھی، کاش! کہ ہم برابر سرابر چھوٹ جائیں، نہ کسی کا حق ہم پر ہو نہ ہمارا کسی پر۔ (ایضاً)

عمر کے آخری حصے میں آپ شام میں مقیم ہو گئے تھے، مستقل قیام یہیں داریا کی

بستی میں تھا، لیکن اکثر جامع مسجد کی فضیلت کی خاطر نماز پڑھنے دمشق جایا کرتے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔

آپ اکثر ان کے پاس پہنچ جاتے اور انہیں نصیحت بھی فرماتے اور بعض اوقات بڑے سخت الفاظ میں تنبیہ بھی لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی ہر بات کی بے حد قدر فرماتے تھے اور لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ ''یہ جو کچھ کہیں انہیں ٹوکا مت کرو''۔

چونکہ آپ کا قیام داریا میں تھا، اس لئے ایک روایت یہ ہے کہ آپ کی قبر یہیں پر ہے اور یہ قبر جو ہمارے سامنے تھی۔

اسی روایت کے مطابق ہے لیکن ایک دوسری روایت یہ ہے کہ آپ رومیوں سے جہاد کی غرض سے روم کے علاقے میں تشریف لے گئے تھے، وہیں پر آپ کی وفات ہوئی۔ واللہ سبحانہ اعلم (ابن عساکر، حوالہ، مذکورہ، ص:۳۱۹)

جذبہ تعمیل کی قدر

اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل چیز جو دیکھی جاتی ہے وہ تعمیل حکم کا جذبہ ہے کہ ہم نے بندے کو عبادت کا حکم دیا تھا یہ بندہ عبادت ادا کرنے کیلئے ہمارے حکم کی تعمیل میں آ گیا' اگرچہ حالات نے اس کے دل و دماغ کو منتشر کر رکھا ہے لیکن چونکہ یہ اخلاص کے ساتھ آ گیا اور اس نے ہمارے حبیب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق عبادت انجام دے لی' بس اس کی عبادت قبول ہے۔ (اصلاحی مجالس ۶، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت حزقیل علیہ السلام کے مزار پر

داریا کے اس چھوٹے سے قبرستان سے کچھ دور ایک مکان کے بیرونی چبوترے پر ایک الگ تھلگ قبر بنی ہوئی ہے جس کے بارے میں (یہاں) مشہور ہے کہ یہ مشہور اسرائیلی پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام کی قبر ہے۔ یہ قبر بھی حضرت شعیب اور حضرت یوشع علیہما السلام کی قبروں کی طرح معمول سے بہت لمبی ہے، یہاں بھی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ تاریخی روایات کے مطابق حضرت حزقیل علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ تھے، پہلے خلیفہ حضرت یوشع علیہ السلام تھے، دوسرے حضرت کالب بن یوحنا اور تیسرے حضرت حزقیل علیہ السلام تھے۔

موجودہ بائبل کے عہد نامۂ قدیم میں ایک صحیفہ آپ ہی کی طرف منسوب ہے۔ قرآن کریم میں آپ کا اسم گرامی مذکور نہیں ہے۔

لیکن قرآن کریم نے سورۃ البقرۃ میں ایک واقعہ بیان فرمایا ہے جس کے بارے میں بعض تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ ہی سے متعلق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دوسرے بزرگوں سے یہ روایت منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حزقیل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت سے فرمایا کہ فلاں دشمن سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ تو وہ لوگ موت کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوئے اور ایک دور افتادہ وادی میں یہ سمجھ کر مقیم ہو گئے کہ اب ہم موت سے محفوظ ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ حرکت ناگوار ہوئی اور ان پر موت طاری کر دی گئی، وہ سب کے سب موت کی آغوش میں چلے گئے۔

ایک ہفتے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام کا ان پر گزر ہوا تو آپ نے ان کی حالت پر افسوس کا اظہار فرمایا اور دُعا مانگی کہ الٰہ العالمین! ان کو موت کے عذاب سے نجات فرمادے، تاکہ ان کی زندگی خود اِن کے لئے اور دوسروں کے لئے عبرت اور بصیرت کا سامان بن جائے۔ آپ کی یہ دعا قبول ہوئی اور وہ لوگ زندہ ہوکر عبرت اور بصیرت کا سامان بنے۔ (قصص القرآن، ص:۲۰،۱۹، ج۲)

قرآن کریم نے اس واقعے کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت فقال لھم اللہ موتوا ثم احیاھم ان اللہ لذو فضل علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون O

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکلے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرجاؤ، پھر ان کو زندہ کردیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے''۔

عمل فضل کی علامت

اللہ تعالیٰ سے بیٹھ کر مانگتے رہو کہ یا اللہ! مجھے اپنی رحمت کا مورد بنادیجئے۔

یاد رکھیں! اللہ کی رحمت کا مورد بننے کیلئے اور جنت کا مستحق بننے کیلئے اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص عمل کرے گا تو اس کو نوازا جائے گا... لہٰذا عمل ضروری بھی ہے اور جنت میں جانے کیلئے علت تامہ بھی نہیں اور جنت کے استحقاق کیلئے بھی علت تامہ نہیں بلکہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کے فضل کی ایک علامت ہے۔ (اصلاحی مجالس ۶، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے مزار پر

مزہ میں

داریا کے مختلف مقامات سے فارغ ہونے کے بعد ہم واپس دمشق کے لئے روانہ ہوئے، چنانچہ دمشق میں داخل ہونے کے بعد ہم نے ایک جگہ نماز ظہر ادا کی۔ معلوم ہوا کہ اس محلے کا نام مزّہ ہے اب تو یہ دمشق شہر کا ایک محلّہ ہے لیکن ابتداء میں یہ دمشق سے باہر ایک مستقل بستی تھی جو اپنے حسن و جمال اور شادابی کے لئے مشہور تھی۔

علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

یہ دمشق کے باغات کے بیچوں بیچ ایک بستی ہے جو گھنے درختوں سے ڈھکی ہوئی ہے اور دمشق سے آدھے کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ (معجم البلدان للحموی، ص ۱۲۲، ج:۶)

اس بستی میں بہت سے علماء پیدا ہوئے جن میں حافظ الحجاج مزّی رحمۃ اللہ علیہ شاید سب سے زیادہ مشہور ہیں جن کی کتاب ''تہذیب الکمال'' صحاحِ ستہ کے اسماء الرجال پر اس وقت سب سے بڑے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بڑے مشہور علماء کے استاذ ہیں جن میں علامہ ابن تیمیہ، حافظ ذہبی، حافظ سبکی، حافظ برزالی، علامہ ابن سید الناس اور حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ جیسے حضرات داخل ہیں اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تو ان کے داماد بھی تھے۔

(البدایۃ والنہایۃ ص:۱۹۱و۱۹۲، ج:۱۴)

مزّہ کی بستی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ یہ مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی

رضی اللہ عنہ کی بستی کہلاتی تھی اور یہیں پر ان کا مزار بھی واقع ہے۔

چنانچہ بفضلہٖ تعالیٰ ان کے مزار پر بھی حاضری ہوئی۔

حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو اپنے حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے مشابہ قرار دیا تھا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام جب کبھی انسان کی شکل میں آتے تو عموماً دحیۂ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت اختیار فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ ایک گھوڑے پر سوار ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے پر ہاتھ رکھ کر حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ سے باتیں کر رہے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعے کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''وہ تو جبرائیل تھے''۔ (طبقات ابن سعد، ص:۲۵۰، ج:۴)

ایک روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اتنے حسین و جمیل تھے کہ جب کسی نئے علاقے میں جاتے تو نوجوان لڑکیاں آپ کو دیکھنے کے لئے باہر نکل آیا کرتی تھیں۔ (المصباح المضیی لابن ابی حدید، ص:۲۶۸، ج۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو جو تبلیغی مکتوب روانہ فرمایا، وہ آپ ہی کے ذریعے روانہ فرمایا تھا۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایلچی بننے کی بھی سعادت حاصل ہے۔

جب آپ رضی اللہ عنہ قیصر کو خط پہنچا کر واپس مدینہ منورہ آئے تو شام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ پستہ، کچھ اخروٹ اور کعک ''کعک'' ایک خاص قسم کی خشک اور گول روٹی ہوتی تھی جس کے بیچ میں حلقے کی طرح خلا ہوتا تھا، شام کی یہ روٹی قدیم زمانے سے مشہور تھی اور بسکٹ یا کیک کی طرح پسند کی جاتی تھی

اور لوگ اسے تحفہ میں دیا کرتے تھے۔ (تاج العروس، ص ۱۷۲، ج ۷)

ایک اونی جبہ اور دو چمڑے کے موزے بطور ہدیہ لے کر آئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام تحفے قبول فرمائے اور موزے تو اتنے پہنے کہ وہ پھٹ گئے۔

(المصباح المضیئ، لابن ابی حدیدہ، ص ۲۶۸، ج ۱)

حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مصر کا کچھ باریک سوتی کپڑا آیا جسے قبطیہ کہتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹکڑا حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بھی دیا اور فرمایا کہ اس کے دو حصے کر لینا، ایک میں اپنی قمیض بنا لینا اور دوسرا حصہ اپنی اہلیہ کو دے دینا کہ وہ اوڑھنی بنا لیں۔

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کپڑا لے کر جانے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ بلا کر فرمایا: ''اپنی اہلیہ سے کہنا کہ وہ اس کے پیچھے کوئی استر لگا لیں، تاکہ کپڑے سے جسم نہ جھلکے۔ (ابن عساکر، ص: ۲۱۹، ج: ۵)

ان تمام واقعات سے آپ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس خصوصی شفقت کا پتہ چلتا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

آپ غزوۂ بدر کے بعد تقریباً ہر جہاد میں شامل رہے، یرموک کے معرکے میں بھی شریک تھے، بعد میں مِزہ میں قیام اختیار فرما لیا تھا اور وہیں پر وفات پائی۔

حُسنِ نیت کے کرشمے

روزی کمانا... خواہ تجارت کی شکل میں ہو یا ملازمت کی شکل میں... یا زراعت وصنعت کی شکل میں... اس میں اگر انسان یہ نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے جو میرے نفس اور میرے گھر والوں کے حق عائد کئے ہیں... یہ کمائی اس لئے کر رہا ہوں کہ وہ حقوق ٹھیک ٹھیک ادا کر سکوں... تو حلال روزی کمانے کی یہ ساری کارروائی عبادت اور ثواب بن جائے گی۔ (اصلاحی مجالس ۲، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت معاویہؓ رضی اللہ عنہ کے مزار پر

ہم نے جامع دمشق اور سوق الحمیدیہ کے آس پاس کچھ خریداری کی۔ اسی دوران ہمارے رہنما نے بتایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مزار بھی اسی علاقے میں ایک مکان کے اندر واقع ہے، چنانچہ وہ ہمیں کئی پیچ در پیچ گلیوں سے گزارتے ہوئے ایک پرانے طرز کے بوسیدہ مکان کے پاس لے گئے۔ دروازے پر دستک دی تو اندر سے ایک عمر رسیدہ خاتون نے جواب دیا ہمارے رہنما نے ان سے کہا کہ پاکستان سے کچھ لوگ آئے ہیں، اور مزارات کی زیارت کرنا چاہتے ہیں لیکن خاتون نے جواب دیا کہ اس کے لئے محکمۂ اوقاف سے اجازت نامہ لانا لازمی ہے۔

معلوم ہوا کہ اس مزار کو حکومت نے عام زیارت کے لئے بند کر رکھا ہے اور وجہ یہ بتائی ہے کہ بعض روافض یہاں آکر شرارت اور مزار کی بے حرمتی کا ارتکاب کرتے تھے لہٰذا محکمہ اوقاف نے یہ پابندی لگادی ہے کہ اجازت نامے کے بغیر کسی کو اندر نہ بھیجا جائے۔

لیکن ہمارے پاکستانی سفارت خانے کے عنایت صاحب بھی تھے انہوں نے اور ہمارے رہنما نے مل کر خاتون کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور احقر کا تعارف کرایا، اس پر خاتون نے اندر جانے کی اجازت دے دی۔

یہ ایک پرانے طرز کا مکان تھا جس کے لمبوترے صحن سے گزر کر ایک بڑا سا کمرہ نظر آیا جس میں چند قبریں بنی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک قبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی بتائی جاتی ہے۔ یہاں سلام عرض کرنے کی توفیق ہوئی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا سیاسی موقف چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف

تھا، اور جمہور اہل سنت کے نزدیک حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔

اس لئے ان کے مخالفین بالخصوص روافض کو ان کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع مل گیا اور ان کے خلاف الزامات واتہامات کا ایک طومار لگا دیا گیا جس میں ان کے فضائل ومناقب چھپ کر رہ گئے۔

ورنہ وہ ایک جلیل القدر صحابی، کاتب وحی اور ایسے اوصاف حمیدہ کے مالک تھے کہ آج ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے جب حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ؟''

تو آپ نے جواب دیا کہ: ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک کی خاک بھی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہے۔

دُعا ورجوع الی اللہ

جب کوئی نئی حالت پیش آئے... تو اس نئی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو... اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو... جب ہر نئی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کروگے... تو رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں پیوست ہوجائے گی... ان شاء اللہ یہ ہر وقت کی کوئی نہ کوئی دُعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سکھائی ہے... وہ اسی لئے سکھائی ہے... تاکہ بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا عادی بنے... اور اس کے نتیجے میں رجوع الی اللہ کا عادی بنے... اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہوجائے۔ (اصلاحی خطبات ۱۳، جواہرات شیخ الاسلام)

علّامہ ابنؒ عابدینؒ شامیؒ رحمہ اللہ کے مزار پر

دمشق کے قیام میں جتنے کام پیش نظر تھے، بحمد اللہ وہ تقریباً سب پورے ہو چکے تھے ۔البتہ ایک خواہش ابھی باقی تھی۔علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ سے ہم طالب علموں کا تعلق خاطر محتاج بیان نہیں ہوسکتا۔ان کی کتاب ''ردّ المحتار'' اس وقت حنفی مفتیوں کا سب سے بڑا ماخذ ہے جس سے دن رات استفادہ کی نوبت آتی رہتی ہے۔خواہش تھی کہ ان کے مزار پر بھی حاضری ہو لیکن عنایت صاحب جواب تک ہماری رہنمائی کرتے رہے تھے، ان کے مزار کے محل وقوع سے واقف نہ تھے۔اب شیخ فرفور کے ایک شاگرد جو آج میسر آئے انہوں نے بتایا کہ وہ مزار سے واقف ہیں۔

چنانچہ سوق الحمیدیہ سے ہم ایک مرتبہ پھر ''الباب الصغیر'' کے قبرستان کی طرف گئے، وہاں قبرستان کے مرکزی دروازے کے بائیں جانب ایک چھوٹا سا احاطہ بنا ہوا ہے جس کا دروازہ بھی الگ ہے اس میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اہل خاندان آرام فرما ہیں۔

سب سے پہلے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری ہوئی اور محبت وعقیدت کے جذبات کے ساتھ سلام عرض کرنے اور ایصال ثواب کا موقع ملا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا نام امین ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ ہے اور ۱۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔آپ کے والد تاجر تھے اور بچپن میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا۔

حفظ کے بعد والدین نے ان کو تجارت کی تربیت کے لئے دکان پر بٹھانا شروع کردیا۔یہ وہاں بیٹھ کر بلند آواز سے تلاوت کرتے رہتے تھے۔ایک دن بیٹھے ہوئے

تلاوت کررہے تھے کہ ایک اجنبی وہاں سے گزرے، انہیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا کہ تمہارا اس طرح پڑھنا دو وجہ سے جائز نہیں ہے، اول تو اس لئے کہ یہ بازار ہے اور لوگ یہاں آپ کی تلاوت نہیں سن سکتے اور آپ کی وجہ سے گناہ گار ہوں گے جس کا گناہ آپ کو ہوگا، اور دوسرے اس لئے کہ آپ کی تلاوت میں غلطیاں کافی ہیں۔

بس علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اسی وقت دکان سے اٹھے اور اپنے زمانے کے شیخ القراء شیخ سعید الحموی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچ گئے، اور ان سے قرأت وتجوید سیکھنے کی درخواست کی، انہوں نے پڑھانا منظور فرمالیا اور انہوں نے نابالغی میں ہی قرأت وتجوید کی اہم کتابیں میدانیہ، جزریہ اور شاطبیہ زبانی یاد کرلیں، اور قرأت وتجوید میں ماہر ہوگئے۔

اس واقعے سے علم کا چسکا تو لگ چکا تھا، چنانچہ بعد میں تمام دینی علوم وقت کے بڑے بڑے اساتذہ سے حاصل کئے اور اس کے بعد تصنیف وتالیف میں مشغول ہوگئے اور بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں۔

آپ کا خصوصی موضوع فقہِ حنفی تھا۔ اس لئے آپ کی زیادہ تر کتابیں فقہ حنفی پر ہیں جن میں سے ''الدر المختار'' کی شرح ''ردالمحتار'' جو فتاویٰ شامی کے نام سے مشہور ہے، سب سے زیادہ جامع اور مفصل کتاب ہے اور بارہویں صدی ہجری کے بعد تو حنفی مسلک کے مفتیوں کا سب سے بڑا ماخذ بن گئی، اس لئے فقہ حنفی کی تنقیح وتحقیق میں یہ کتاب بے نظیر ہے، اور اس میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایک مسئلے کی تحقیق میں بیسیوں کتابوں کی ورق گردانی فرمائی ہے، اور محض متاخرین کی نقل پر اعتماد کرنے کے بجائے اصل ماخذ کی طرف رجوع کرکے ہر مسئلے کی تحقیق کی ہے۔

فقہ وفتویٰ میں تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے شاید سب سے بڑے مرجع تھے ہی، عبادات وطاعات اور حسن اخلاق میں بھی آپ کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ ہمیشہ با وضو رہتے تھے، رمضان شریف میں ہر رات ایک قرآنِ کریم ختم کرنے کا معمول تھا۔ اپنی تجارت اپنے ایک شریک کے سپرد کررکھی تھی، وہی آپ کا ذریعہ آمدنی تھا، اور خود

علمی اور عملی کاموں میں مصروف رہتے تھے، صدقات و خیرات میں بہت حصہ لیتے رہتے تھے۔ آپ کے علمی رُعب سے حکام وقت بھی متاثر تھے، اگر کوئی قاضی خلافِ شرع فیصلہ کر دیتا اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتوے میں اس فیصلے کو خلافِ شرع قرار دے دیتے تو قاضی کو اپنا فیصلہ بدلنا پڑتا تھا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کل ۵۴ سال عمر پائی اور ۱۲۵۲ھ میں وفات ہوئی۔ وفات سے تقریباً بیس دن پہلے انہوں نے اپنی قبر کی جگہ خود منتخب کر لی تھی، کیونکہ اس جگہ ''درمختار'' کے مؤلف علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ مدفون تھے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ انہی کے قریب دفن ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق وہیں پر آپ کو دفن کیا گیا۔

آپ کی والدہ آپ کی وفات کے وقت زندہ تھیں، اور دو سال مزید زندہ رہیں۔ وہ نہایت خدا رسیدہ خاتون تھیں، جن کا سلسلۂ نسب مشہور محدث علامہ داؤدی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ اپنے لائق بیٹے کے انتقال پر عام عورتوں کی طرح انہوں نے جزع فزع بالکل نہیں کیا، لیکن جب تک زندہ رہیں، ہر ہفتے ایک لاکھ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر اپنے محبوب بیٹے کو ایصال ثواب کرتی رہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ تمام حالات ان کے صاحبزادے علامہ علاء الدین رحمۃ اللہ علیہ نے تکملہ ردالمحتار کے شروع میں بیان فرمائے ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مفتی ابوالیُسر ابھی چند سال پہلے تک حیات تھے اور میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ جب دمشق تشریف لے گئے تھے تو ان سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے برابر میں فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''الدر المختار'' کے مصنف علامہ محمد علاء الدین حصکفی رحمہ اللہ کا مزار ہے جن کی کتاب کی شرح علامہ شامی نے فرمائی ہے، ان کی وفات ۱۰۸۸ھ میں ہوئی تھی۔

انہی کے قریب علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے فاضل صاحبزادے علامہ علاؤالدین ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے جو فقہ حنفی میں اپنے والد کے صحیح وارث تھے۔ انہوں نے اپنے والد کی کتاب ''ردالمحتار'' کا تکملہ بھی لکھا ہے اور ترکی کی خلافتِ عثمانیہ نے جب عدالتوں کے لئے فقہ حنفی کی بنیاد پر اسلامی قانون کی تدوین کا کام شروع کیا تو علامہ علاء الدین کی سرکردگی میں اس غرض کے لئے علماء کی ایک جماعت بنائی تھی جس نے یہ قانون ''مجلۃ الاحکام العدلیۃ'' کے نام سے مدون کیا، یہ قانون نہ صرف ترکی بلکہ بہت سے اسلامی ملکوں میں سالہا سال نافذ رہا۔ کویت اور اردن وغیرہ میں چند سال پہلے تک دیوانی قانون کے طور پر یہی ''مجلّہ'' نافذ تھا۔

علامہ علاء الدین طرابلس (لبنان) کے قاضی بھی رہے، اور دمشق کی مجلس المعارف کے صدر بھی۔ ان کی تالیفات میں نور الایضاح کی ایک شرح معراج النجاح بھی داخل ہے۔ (الاعلام للزرکلی، ص:۱۵۲۲، ج:۷)

ان تینوں بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ پڑھی۔

ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگو

اللہ جل شانہ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ یہ ہے... کہ بندے جتنا اس سے مانگتے ہیں... اللہ تعالیٰ اتنا ہی ان سے راضی اور خوش ہوتے ہیں... چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو... اور بڑی سے بڑی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

(اصلاحی خطبات ۱۳، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزارِ مبارک پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کسی مسلمان کے لئے محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ آپ کا نام خالد بن زید رضی اللہ عنہ تھا۔

آپ مدینہ طیبہ کے قبیلہ بنوخزرج سے تعلق رکھتے تھے۔

بالکل ابتداء میں مسلمان ہوگئے تھے۔ اور آپ رضی اللہ عنہ ہی وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرتِ مدینہ کے بعد ایک مہینے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ قصواء آپ رضی اللہ عنہ ہی کے مکان پر آکر رُکی تھی۔

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نچلی منزل میں ٹھہرایا تھا، اور خود اپنی اہلیہ کے ساتھ اوپر کے کمرے میں مقیم تھے۔

ایک مرتبہ اوپر کے کمرے میں پانی گر گیا، آپ رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ ہوا کہ یہ پانی کہیں ٹپک کر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچائے، اس لئے آپ رضی اللہ عنہ اور آپ کی اہلیہ چادر لے کر پانی کو جذب کرتے رہے۔

آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شامل رہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو مدینہ منورہ کا گورنر بھی بنا دیا تھا۔ لیکن پھر شوقِ جہاد میں آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے، اور خوارج کے خلاف جہاد میں ان کے ساتھ شامل ہوئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں جو پہلا لشکر قسطنطنیہ پر حملے کے لئے روانہ کیا، اس میں آپ بھی شامل تھے۔

یہاں محاصرہ طویل ہوا تو آپ بیمار ہوگئے، یزید آپکی بیمار پرسی کے لئے حاضر ہوا اور آپ سے پوچھا کہ کوئی خدمت بتائیے، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ''بس میری ایک خواہش ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ جب میرا انتقال ہوجائے تو میری لاش کو گھوڑے پر رکھ کر دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک لے جانا ممکن ہو، لے جانا اور وہاں لے جا کر دفن کرنا''۔

اس کے بعد آپ کی وفات ہوگئی، تو یزید نے آپ کی وصیت پر عمل کیا اور قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب آپ کو دفن کیا گیا۔ (الاصابہ، ص:۴۰۵، ج:۱)

تاریخ میں ہے کہ سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد اہتمام کے ساتھ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک کی تلاش شروع کی اور ایک بزرگ کی نشاندہی پر اس جگہ وہ دستیاب ہوگئی۔ سلطان محمد فاتح نے ''جامع ابوایوب'' کے نام سے یہاں مسجد تعمیر کی۔ (تاریخ دولت عثمانیہ، ص:۱۲۱، ج۱)

اور اس وقت سے یہ جگہ زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ یہ پورا محلہ ''ابوایوب'' ہی کہلاتا ہے، مزار مبارک پر لوگ اکثر بیٹھے ہوئے تلاوت کرتے رہتے ہیں۔

یہ مقدس صحابی جنہیں اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف بخشا تھا، اپنے وطن سے ہزاروں میل دور اللہ تعالیٰ کے دین کا پیغام لئے ہوئے اس دیارِ غربت میں راہی آخرت ہوئے، اور زندگی کے آخری لمحوں میں بھی خواہش تھی تو یہ کہ اس کلمے کو لئے ہوئے دشمن کی سرزمین میں جتنی دور تک جاسکوں، چلا جاؤں۔

وفات کے بعد صدیوں تک کسی کو آپ کی آخری آرام گاہ کا علم بھی نہ تھا، لیکن دیکھا جائے تو قسطنطنیہ کے اصل فاتح آپ ہی ہیں، آپ ہی کے ذریعے اس سرزمین پر پہلی بار اسلام کا کلمہ پہنچا، اور آپ ہی کے وسیلے سے اس خاک کو ایک صحابیِ رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کا مدفن بننے کی سعادت حاصل ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

جامع ابوایوب رضی اللہ عنہ سے باہر نکلیں تو ایک وسیع صحن ہے جس میں کبوتر بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں، اور لوگ ان کو دانہ ڈالتے رہتے ہیں۔

اس میدان کے دائیں جانب ایک چبوترے پر چنار کے دو بہت بڑے درخت ہیں جو دیکھنے سے بہت قدیم معلوم ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ درخت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے ہیں۔ واللہ اعلم

مسنون دُعاؤں کی اہمیت

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی دعائیں علوم کا ایک جہاں ہیں... اگر انسان صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مانگی ہوئی دُعاؤں کو غور سے پڑھ لے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا رسول ہونے میں کوئی ادنیٰ شبہ نہ رہے... یہ دعائیں بذات خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل ہیں اور آپ کا معجزہ ہیں... کیونکہ کوئی بھی انسان اپنی ذاتی عقل اور ذاتی سوچ سے ایسی دعائیں مانگ ہی نہیں سکتا... جیسی دعائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگیں اور اپنی اُمت کو وہ دعائیں تلقین فرمائیں... ایک ایک دُعا ایسی ہے کہ انسان اس دُعا پر قربان ہو جائے۔

(اصلاحی خطبات ۱۳، جواہرات شیخ الاسلام)

مقبرہ قاسمی

دارالعلوم کا ایک ایک گوشہ ایک مستقل تاریخ ہے، احاطہ مولسری میں داخل ہوتے ہی ان مقدس شخصیتوں کے سانسوں کی مہک آج بھی فضا پر چھائی محسوس ہوتی ہے۔

مشرق میں وہ کنواں آج بھی علم کے پیاسوں کو سیراب کر رہا ہے جس کے بارے میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحب جیسے ولی اللہ نے یہ خواب میں دیکھا تھا کہ یہ کنواں دودھ سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے اردگرد تشنگانِ معرفت کا ہجوم ہے اور سرکار رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اس کنویں سے سیراب فرما رہے ہیں۔

احاطے کے بیچوں بیچ مولسری کے وہ درخت ہیں جن کی پر کیف چھاؤں میں نہ جانے کتنے علماء واولیاء اسباق کے تکرار میں مصروف رہے۔ مغرب میں وہ دارالحدیث ہے جس نے اس صدی کے سب سے مایہ ناز محدثین پیدا کئے، اور اس کے اوپر دارالتفسیر کا وہ پُرشکوہ گنبد ہے جس میں گزشتہ صدی کے عظیم مفسر تیار ہوئے۔

احاطۂ مولسری کی شمالی دیوار میں وہ کمرہ ہے جو مدتوں دارالافتاء کی حیثیت میں استعمال ہوا۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ سالہا سال تک یہیں فتاویٰ لکھتے رہے، اور اس طرح یہاں سے ''فتاویٰ دارالعلوم'' کا وہ عظیم خزانہ تیار ہوا جس کا بمشکل بیسواں حصہ ابھی تک شائع ہوسکا ہے۔

غرض اس احاطے سے لے کر باب الظاہر تک یہاں کا چپہ چپہ اس صدی کے بہترین انسانوں کی یادگار ہے، اور اس کے ایک ایک کونے کی تاریخ پر مستقل کتابیں تیار ہوسکتی ہیں۔ ماضی کے تصورات کا ایک جہان دل میں لئے گھنٹوں اس ادارے

کے مختلف حصوں میں گھومتا رہا، ایک ایک یادگار کو دیکھ کر متنبّی کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے

بلیت بلی الا طلال ان لم أقف بها
وقوف شحیح ضاع فی التربّ خاتمه

عصر کے بعد چند رفقاء کے ہمراہ قبرستان کا رخ کیا، یہ قبر ''مقبرہ قاسمی'' کے نام سے موسوم ہے۔ سب سے پہلے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی، دارالعلوم انہی کا لگایا ہوا پودا ہے جس کے برگ وبار آج سارے عالم اسلام میں پھیل چکے ہیں۔

آج اس مزار پر دارالعلوم کے فیض یافتگان کا اتنا ہجوم تھا کہ شاید پہلے کبھی نہ ہوا ہو۔ انہی کے پائنتانے میں دو قبریں سب سے ممتاز نظر آتی ہیں۔

ایک شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کی ہے جو دارالعلوم کے سب سے پہلے طالب علم تھے اور پھر مدرس، صدر مدرس، شیخ الحدیث سبھی کچھ رہے، اور دارالعلوم کی چٹائیوں پر بیٹھ کر ہی انہوں نے آزادیٔ ہند کی وہ بین الاقوامی تحریک چلائی جو ''ریشمی رومال کی تحریک'' کے نام سے معروف ہے، دیکھنے میں مشت استخوان، لیکن کفر وباطل کے لئے ناقابل تسخیر چٹان۔

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ساری عمر جہاد اور اس کی تیاری میں گزری جب وفات کا وقت آیا تو طبیعت پر آزُردگی دیکھ کر بعض لوگ یہ سمجھے کہ شاید موت کی فکر ہے، لیکن پوچھا گیا تو جواب دیا کہ:

''آرزو یہ تھی کہ کسی میدان کارزار میں موت آتی، سر کہیں ہوتا دھڑ کہیں، غم اس کا ہے کہ آج بستر پر مر رہا ہوں''۔ علم وفضل، تقویٰ وطہارت، جہد وعمل وللّٰہیت اور ایثار وقربانی کا یہ پیکرِ جمیل دارالعلوم دیوبند کی فصل کا پہلا پھل تھا جو یہاں ایک کچی قبر کے نیچے آرام فرما ہے۔ انہی کے بالکل برابر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

صاحب قدس سرہ کا مزار ہے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ان جاں نثار رفقاء میں سے تھے۔ جنہوں نے اپنے شیخ کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اور ان کے مقصدِ زندگی کو پورا کرنے کے لئے جان کو جان نہیں سمجھا۔ احقر کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ ہمارے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے تھے کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب شیخ العرب والعجم بن چکے تھے تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں نکاح کی کوئی تقریب تھی۔ اس موقع پر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ خود اپنے سر پر پانی کا مٹکا رکھ کر شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے گھر لے جا رہے تھے۔ انہوں نے جس طرح ساری عمر اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت و صحبت میں گزاری، اللہ تعالیٰ نے انہیں وفات کے بعد بھی اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا پہلو نصیب فرمایا۔

ان حضرات کے آس پاس حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہ مفتی اعظم دارالعلوم، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قدس سرہ مہتمم دارالعلوم، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب قدس سرہ اور نہ جانے علم و فضل کے کتنے پہاڑ مدفون ہیں۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پائتانے سے ذرا مغرب کی طرف ہٹ کر احقر کے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب قدس سرہ کا مزار ہے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے ہم سبق اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، اور ہر علم و فن میں اعلیٰ استعداد رکھنے کے باوجود ساری عمر دارالعلوم کے درجہ فارسی و ریاضی کے استاذ رہے، اور دیوبند کا شاید ہی کوئی ایسا گھر ہوگا جہاں کئی کئی پشتوں نے ان سے نہ پڑھا ہو۔ احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالے ''میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ'' میں ان کے حالات قدرے تفصیل سے لکھ دیئے ہیں۔

قبرستان کے شمال میں ذرا فاصلے پر حضرت حاجی عابد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا

مزار ہے جو دارالعلوم کے موسسین میں سے ہیں اور ولایت وتقویٰ کے اس مقام پر تھے جو معاصرہ اہلِ علم کے لئے قابل رشک تھا۔

قبرستان کے شمال مغرب میں تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر دیوبند کی عیدگاہ ہے۔ اور اس کے جنوبی پہلو میں امام العصر حضرت سید انور شاہ صاحب کشمیری قدس سرہ کا مزار ہے۔ اس دعوے میں شاید کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس صدی میں علم حدیث کے سب سے بڑے امام تھے۔ اس بات کا اعتراف صرف علمائے ہند ہی نے نہیں عالم عرب کے محقق علماء نے بھی کیا ہے۔ حافظے اور وسعتِ مطالعہ میں ان کی کوئی نظیر ماضی قریب میں نہیں ملتی۔

❁❁❁

قرآن اور ہماری لاپرواہی

ایک زمانہ وہ تھا... کہ اگر فجر کے وقت مسلمانوں کی کسی بستی سے گزر جاؤ... تو ہر گھر سے تلاوت قرآن کریم کی آواز آیا کرتی تھی... چاہے وہ کسی عالم کا گھر ہو... یا جاہل کا ہو... پڑھے لکھے کا گھر ہو یا اَن پڑھ کا ہو... مجھے بچپن کا وہ دور یاد ہے کہ جب سارے گھروں سے صبح کے وقت تلاوت کی آوازیں بلند ہوتی تھیں... اور اس کے نتیجے میں معاشرے کے اندر ایک نورانیت محسوس ہوتی تھی... لیکن اب افسوس یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی بستیوں سے گزرو تو تلاوت کی آواز آنے کے بجائے فلمی گانوں کی آوازیں آتی ہیں۔ (اصلاحی خطبات ۱۳، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ کے مزار پر

نانوتہ دیوبند سے مغرب میں ۱۶ میل اور سہارن پور سے جنوب میں ۱۸ میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو اپنی زرعی پیداوار اور دور دور تک پھیلے ہوئے باغات اور کھیتوں کی بنا پر تو زرخیز ہے ہی، لیکن یہاں علم و فضل اور طہارت و تقویٰ کے جو آفتاب نمودار ہوئے، ان کے اعتبار سے مردم خیز بھی ہے۔

استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو علمی اعتبار سے تمام علمائے دیوبند کے جدامجد ہیں، اسی قصبے میں پیدا ہوئے۔

ان کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور شاگرد خاص حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی جائے پیدائش بھی یہی ہے اور ان کے علاوہ مظاہر العلوم سہارن پور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد احسن نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا محمد منیر نانوتوی رحمہم اللہ سب اسی قصبے کے باشندے تھے۔

ہم نانوتہ پہنچ کر سب سے پہلے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ یہ مزار بستی سے کچھ دور شمال میں سہارن پور جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ ایک سرسبز و شاداب باغ کے کنارے چھوٹی سی چار دیواری ہے جس میں چند کچی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں مغربی جانب میں سب سے پہلی قبر حضرت مولانا قدس سرہ کی ہے۔ مزار مبارک پر حاضری ہوئی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے واقعات ذہن میں تازہ ہو گئے۔

آپ دارالعلوم دیو بند کے پہلے صدر مدرس تھے، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے خاص استاذ ہر علم وفن میں اعلیٰ درجے کے فضل وکمال کے ساتھ ساتھ انتہائی سادہ، متواضع اور صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وملفوظات آپ کے تذکروں سے بھرے ہوئے ہیں، اور حضرت مولانا انوار الحسن صاحب شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی سوانح حیات ''سیرتِ یعقوب ومملوک'' کے نام سے مرتب فرما دی ہے جو مکتبہ دارالعلوم سے شائع ہو چکی ہے۔

اس وقت آپ کا وہ واقعہ یاد آیا جو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا سنا تھا اور ''سیرتِ یعقوب ومملوک'' میں بھی نظر سے نہیں گزرا۔

حضرت مولانا چونکہ دارالعلوم دیو بند کے استاذ ہونے کے علاوہ شیخِ طریقت اور مرجعِ خلائق بھی تھے۔ اس لئے آپ کے پاس عام لوگوں کی آمد ورفت بہت رہتی تھی۔ اس وجہ سے بعض اوقات درس گاہ میں پہنچتے پہنچتے دیر ہو جاتی تھی۔ حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دارالعلوم کے مہتمم تھے۔ انہوں نے یہ دیکھا تو دارالعلوم کے سرپرست قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ سے شکایت کی۔ حضرت گنگوہی قدس سرہ نے پہلے تو حضرت مولانا محمد یعقوب کو سمجھایا کہ:

''مولانا یہ نہ سمجھئے کہ آپ خدمتِ خلق میں مصروف رہنے کی وجہ سے معذور ہیں۔ جن لوگوں کی آپ خدمت کرتے ہیں وہ تو مقامی ہیں۔ لیکن یہ طلباء جو دور دراز سے تحصیل علم کیلئے آئے ہیں ان کا وقت خراب ہوگا تو آخرت میں آپ سے ان کی باز پرس ہوگی''۔

حضرت مولانا نے یہ سن کر سر جھکا دیا۔

لیکن اس کے بعد آپ نے حضرت مہتمم صاحب کو بلا کر فرمایا:

''میں نے مولوی محمد یعقوب صاحب کو پابندی وقت کے لئے کہہ تو دیا ہے۔ لیکن اگر آئندہ کبھی ان سے اس قسم کی شکایت پیش آئی تو آپ اس کی زیادہ فکر نہ کریں،

کیونکہ مولوی محمد یعقوب صاحب کا مقام یہ ہے کہ اگر وہ مدرسے میں ایک بھی سبق نہ پڑھائیں، اوردن میں مدرسے کا صرف ایک ہی چکر لگا جایا کریں تب بھی مدرسے کے لئے کافی ہے، اوران کی تنخواہ کی قیمت وصول ہے۔"

آپ کی وفات کا یہ واقعہ بھی حضرت والد صاحب ہی سے سنا تھا اور آپ کی مطبوعہ سوانح میں موجود نہیں ہے کہ دیوبند کے اطراف میں ہیضے کی وباء کا آغاز ہورہا تھا۔

آپ نے دیوبند میں یہ اعلان کرایا کہ "ہیضے کی شدید وباء گھر گھر پھیل رہی ہے لوگوں کو چاہیے کہ وہ کثرت سے صدقہ وخیرات دیں اور اپنی مملوکات میں سے ہر چیز سے صدقہ نکالیں۔ روپیہ میں سے روپیہ، غلے میں سے غلہ، کپڑے میں سے کپڑا، شاید اللہ تعالیٰ ان صدقات کی برکت سے اس بلا کو روک دیں۔"

لیکن دیوبند کے بعض شیخ زادوں نے سنا تو انہوں نے اس پر توجہ دینے کے بجائے استہزاء کا انداز اختیار کیا اور کہنے لگے کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدرسے میں چندے کی کمی ہوگئی ہے جسے پورا کرنے کے لئے مولوی صاحب یہ اعلان کررہے ہیں۔"

حضرت کو یہ جملہ پہنچا تو جوش میں آکر فرمایا:

"اچھا تو اب وبا آکر رہے گی اور ایک ایک گھر سے کئی کئی جنازے اٹھیں گے"۔

حاضرین میں سے کسی نے کہا "حضرت! آپ بھی تو یہیں مقیم ہیں" فرمایا:

"ہاں! یعقوب اور یعقوب کی اولاد بھی" چنانچہ وہ شدید وبا آئی اور حضرت مولانا کی وفات بھی اسی وبا کے دوران ہوئی۔

حضرت مولانا محمد منیر نانوتوی رحمۃ اللہ کے مزار پر

حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے بازو میں حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ آپ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے رشتے کے بھائی تھے۔ جہاد شاملی میں آپ کے دست و بازو رہے ہیں۔

۱۳۱۱ھ سے ۱۳۱۳ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بھی رہے ہیں۔ نہایت با خدا اور صاحبِ دیانت و تقویٰ بزرگ تھے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ''ارواحِ ثلاثہ'' میں انہی کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ مدرسے کے اڑھائی سو روپے لے کر مدرسے کی روداد چھپوانے کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔

اتفاق سے وہاں روپے چوری ہو گئے، آپ نے کسی کو چوری کی اطلاع نہیں کی، اور اپنے مکان واپس آ کر اپنی کوئی زمین فروخت کی اور اس کی قیمت سے اڑھائی سو روپے لے کر دوبارہ دہلی پہنچے اور روداد چھپوا کر لے آئے۔ کچھ دنوں بعد اس واقعے کی اطلاع اہلِ مدرسہ کو ہوئی۔ ان کو اندازہ تھا کہ حضرت مولانا محمد منیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے کہنے سے یہ رقم واپس نہیں لیں گے۔

اس لئے دارالعلوم دیوبند کے سرپرست قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کو سارا واقعہ لکھ کر ان سے مسئلہ دریافت کیا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ''مولوی صاحب کے پاس وہ رقم بطور امانت تھی۔ اور روپیہ چونکہ اس کی

کسی زیادتی کے بغیر ضائع ہوا ہے، اس لئے وہ اس کے ذمہ دار نہیں ہیں''۔

اہلِ مدرسہ نے حضرت مولانا محمد منیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ دکھا کر درخواست کی کہ آپ روپیہ واپس لے لیجئے۔

حضرت مولانا محمد منیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:

''کیا میاں رشید نے فقہ میرے لئے ہی پڑھا تھا؟ اور کیا یہ سارے مسائل میرے ہی لئے ہیں؟ ذرا خود اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھیں کہ اگر ان کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپے لے لیتے؟ جاؤ اس فتوے کو لے جاؤ، میں ہرگز پیسے بھی نہیں لوں گا''

زندگی اللہ کی امانت ہے

آج کل لوگ جو بھوک ہڑتال کرتے ہیں... اور یہ کہتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں کھائیں گے... اور کچھ نہیں پئیں گے... اس کے بارے میں علماء کرام نے فرمایا کہ شرعی اعتبار سے یہ ہڑتال جائز نہیں... اس لئے کہ یہ جان اپنی ملکیت نہیں کہ اس کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو... چاہو تو اس کو بھوکا مار دو... بلکہ یہ جان اللہ تعالیٰ کی عطاء ہے... اس کا حق ہے کہ اس کو وقت پر کھانا کھلاؤ۔

(اصلاحی خطبات ۱۳، جواہرات شیخ الاسلام)

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

کے مزار پر

نانوتہ سے روانہ ہوئے تو اگلی منزل تھانہ بھون تھی۔ وہ تھانہ بھون جس کے لذیذ اور پُر کیف تصور ہی سے جسم و جان میں عقیدت و محبت کی پھواریں پھوٹتی معلوم ہوتی ہیں۔ وہ تھانہ بھون جس کے تذکروں کی فضا میں اس ناچیز نے آنکھ کھولی، اور جس کا ذکر جمیل صبح و شام حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ورد زباں پایا۔

وہ تھانہ بھون جس سے پھوٹنے والے انوار اب بھی زندگی کی پُر پیچ راہوں میں مجھ جیسے نہ جانے کتنے بھٹکنے والوں کی رہبری کا واحد ذریعہ ہیں، آج میں عالمِ حقیقت میں اسی چشمۂ خیر اور اسی دکانِ معرفت کا رخ کر رہا تھا اور قلب و روح کی کائنات اشتیاق و مسرت کے کچھ نرالے زمزموں سے لبریز تھی۔

اس سے پہلے تو تصور نے تھانہ بھون اور اس کی خانقاہ کے نہ جانے کتنے خاکے بنائے تھے لیکن جب کچی گلیوں سے گزر کر ہمارا یہ مختصر سا قافلہ خانقاہ کے دروازے پر پہنچا تو خانقاہ ان تمام خاکوں سے زیادہ سادہ مختصر اور دلکش تھی۔ اپنی یاد میں یہ خانقاہ اشرفیہ کی پہلی حاضری تھی، لیکن اس کی ایک ایک چیز کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس سے سالہا سال کی واقفیت ہے اور اسے دیکھتے ہوئے زمانہ گزرا ہے۔

حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی قدس سرہ کے پاکستان آجانے کے بعد حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس خانقاہ کا انتظام سنبھالا تھا اور

انہوں نے اس کی ایک ایک چیز کو اسی انداز میں باقی رکھنے کی پوری کوشش فرمائی تھی جیسی وہ حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں تھی۔ اب مولانا کے صاحبزادے مولانا نورالحسن صاحب مہتمم خانقاہ ہیں۔

آپ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب رحمہ اللہ سے ہے اور نوعمری کے باوجود آپ نے یہاں کا نظم ونسق اسی طرح برقرار رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔ خانقاہ میں داخل ہونے کے بعد اس کے ایک ایک گوشے سے یہ صدا آتی معلوم ہوتی ہے کہ ؎

میرے دلِ وارفتۂ حیرت کو ہے اب تک
اس نازشِ صد ناز کی ایک ایک ادایاد

یہ خانقاہ ابتداءً شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حافظ ضامن صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مرکزِ فیض تھی۔ یہ تینوں بزرگ جو ''اقطابِ ثلاثہ'' کہلاتے تھے، مدتوں یہاں اصلاح وارشاد میں مشغول رہے۔ اور انہی کی وجہ سے اسے ''دکانِ معرفت'' کہا جانے لگا۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے جہاد میں جب حضرت حافظ صاحب شہید ہوگئے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مکہ مکرمہ ہجرت فرما گئے تو خانقاہ خالی ہوگئی۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کو مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے بھی اس کا خیال رہتا تھا کہ یہ خانقاہ دوبارہ آباد ہو۔ چنانچہ جب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہ نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تو آپ کی دوررس نگاہوں نے اس مرکزِ معرفت کو آباد کرنے کے لئے ان کا انتخاب فرمایا اور ان کو یہ تاکید کی کہ جب کبھی آپ کانپور سے تدریس کی خدمت ترک کریں تو کسی اور مدرسے میں جانے کے بجائے خانقاہ تھانہ بھون کو آباد فرمائیں۔ چنانچہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے کانپور سے ترکِ تعلق کے بعد اس خانقاہ کو از سرنو آباد فرمایا، اور پھر یہاں سے علم ومعرفت کی جو خوشبو پھوٹی اس نے ایک عالم کو مہکا دیا۔

مولانا نورالحسن صاحب خانقاہ کے مختلف حصے دکھاتے جارہے تھے اور چشمِ تصور اڑتیس سال کا فاصلہ طے کر کے یہاں وہ مقدس بزم سجی ہوئی دیکھ رہی تھی جس کے میرِ محفل حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ تھے، اور جس میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ اور نہ جانے کیسے کیسے نادر روزگار حضرات اس شمع محفل کے گرد پروانہ وار تشریف فرما رہے، اور یہاں سے نکل کر بقول مرشدی حضرت عارفی رحمہ اللہ ان میں سے ایک ایک فرد کا یہ حال ہو گیا کہ ؎

مری آنکھوں میں چشمِ مست ساقی کا وہ عالم ہے
نظر بھر کر جسے بھی دیکھ لوں مے خوار ہو جائے

مسجد کے صحن میں بیٹھ کر خیال آیا کہ سیدی و مرشدی حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مآثر حکیم الامت'' کے آغاز میں خانقاہ کا پورا نقشہ اور اس کی تمام جزوی تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔ کتاب کے اس حصے کو یہاں بیٹھ کر پڑھنا چاہیے۔ چنانچہ ہم سب رفقاء نے وہاں بیٹھ کر اس کا اجتماعی مطالعہ کیا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت رحمہ اللہ کے درجات میں پیہم ترقی عطا فرمائے۔

آپ نے جس والہیت اور عاشقانہ جزرسی کے ساتھ اس خانقاہ کا نقشہ کھینچا ہے، اس کی صحیح قدر و قیمت وہیں پہنچ کر معلوم ہوتی ہے۔ آج بھی چونکہ خانقاہ کی بیشتر چیزیں اسی نقشے کے مطابق ہیں اس لئے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے حضرت رحمہ اللہ اس

وقت ہم سے مخاطب ہیں اور تمام تفصیلات سمجھا رہے ہیں۔

اس خانقاہ کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز ایسی نہیں ہے جو اس نقشے میں بیان ہونے سے رہ گئی ہو۔ اس تفصیل اور دقیقہ رسی کے ساتھ یہ منظر کشی صرف عشق ہی کرا سکتا ہے۔ یہ عقل وخرد کے بس کا روگ نہیں۔

دیکھنے میں یہ چھوٹی سی مسجد ہے جس کے اندرونی حصے میں کُل تین صفیں ہوتی ہیں، صحن اور برآمدے بھی کچھ زیادہ کشادہ نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس چھوٹی سی جگہ سے کیا عظیم الشان کام لیا کہ یہاں سے ایک ہزار کے لگ بھگ اعلیٰ درجہ کی تصانیف تیار ہوئیں، وعظ وارشاد کا ایک نرالا رنگ وجود میں آیا، حقائق ومعرفت کے دریا بہائے گئے، طریقت وتصوف کی تجدید ہوئی، علمی وعملی مشکلات کی گُتھیاں سلجھائی گئیں۔

علومِ نبوت کے عقدے وا ہوئے، ہزار ہا انسانوں کو حسن اخلاق ومعاشرت کے دلکش سانچوں میں ڈھالا گیا۔ شرافت وانسانیت کو نئی زندگی ملی، شریعت، عقل اور عشق کی حدیں قائم کی گئیں اور تینوں کے حسین ومتوازن امتزاج سے وہ مذاق زندگی وجود میں آیا جو اس آخری دور میں کتاب وسنت کی عملی تفسیر کا دوسرا نام ہے۔

ان تمام باتوں کے تصور نے حضرت والد صاحب کی وہ نظم ذہن میں تازہ کردی جو اسی خانقاہ کے بارے میں کہی گئی تھی ؎

کبھی یہ جگہ منزلِ اولیاء تھی — فرشتوں کی محفل تھی، بزم ہدیٰ تھی
یہ مسکن تھی اک دن حکیم اُمّتؒ کی — ہَوا اس کی، ہر اک مرض کی دوا تھی
یہ چھوٹی سی بستی، یہ چھوٹی سی مسجد — یہ چھوٹی سی مجلس خدا جانے کیا تھی؟

خانقاہ سے نکل کر قبرستان کا رخ کیا، راستے میں پہلے ایک چار دیواری کے درمیان حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید قدس سرہ کا مزار تھا، وہاں حاضری ہوئی، یہ بڑے صاحبِ مقام بزرگ تھے جنہوں نے اپنے حالات ومقامات کو ظرافت کے پردے میں چھپایا ہوا تھا۔ ساری عمر خانقاہ میں بیٹھ کر اصلاح وارشاد میں گزاری اور

جب ۱۸۵۷ء میں اللہ کے لئے جان وتن کی بازی لگانے کا وقت آیا تو خانقاہ کا یہ بوریہ نشین مجاہدین کی صف میں اپنے سر کا نذرانہ لئے سب سے آگے آگے تھا۔ یہاں تک کہ اسی جہاد میں جامِ شہادت نوش کر کے یہاں آسودہ ہوگیا۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

یہاں سے ذرا آگے بڑھ کر وہ قبرستان شروع ہوجاتا ہے جو خود حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے وقف فرمایا تھا۔ اس قبرستان کے مغربی سرے پر ایک چبوترا ہے جس پر تین کچی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ ان میں سے پہلی قبر میں وہ مجددِ وقت محوِ آرام ہے جس کے فیوض و برکات نے اس چھوٹی سی بستی کو اس آخری دور میں رشکِ صد گلزار بنا دیا۔ اس مزار مبارک کے سامنے بیٹھ کر ایسا محسوس ہوا جیسے دنیا کے سارے غم و آلام کافور ہوگئے ہیں، اور پورا وجود سکینت و طمانیت کی آغوش میں چلا گیا ہے۔

واردات و کیفیات اور حالات و مقامات تو بڑوں کی باتیں ہیں، ہم جیسے بد ذوق اور کور دل افراد کو ان کی تو کیا ہوا لگتی؟ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں بیٹھ کر جو سکون خاطر نصیب ہوا ہے وہ میرے لئے اس سفر کی سب سے بڑی متاع تھی۔

اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ؎

کرتی جاتی ہے سرایت جان و تن میں ان کی یاد
رفتہ رفتہ جانے کیا سے کیا ہوا جاتا ہوں میں

نماز ظہر کا وقت قریب تھا۔ واپس خانقاہ کی مسجد میں آکر نماز ظہر ادا کی، نماز کے بعد دفعۃً خیال آیا کہ یہی وقت حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی مجلس عام کا ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ قدم بے ساختہ حضرت کی نشست گاہ کی طرف اُٹھ گئے۔

تھوڑی دیر مجلس کی جگہ بیٹھا رہا اور اس دل پر جو گزری اس کا اظہار لفظ و بیاں کے ذریعے ممکن نہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ جس مقام پر ۳۸ سال گزر جانے کے باوجود

سکینت وطمانیت، سوز وگداز اور انوار و برکات کا یہ حال ہے، وہاں اس وقت کا کیا عالم ہوگا جب یہ مجلس جہاں آرا زندہ وتابندہ تھی۔

ترے وصال کا عالم نہ جانے کیا ہوگا ؟ ترے فراق کی لذت سے مر گئے ہیں لوگ

دل سے بے ساختہ دُعا نکلی کہ یا اللہ! آپ نے اس مجلس کی بدولت ہزار ہا انسانوں کی زندگیاں بدلی ہیں، ہزاروں دلوں میں انقلاب پیدا فرمایا، اور یہاں سے ایسے ایسے لوگ پیدا فرمائے جنہوں نے اپنے فیوض و برکات سے ایک عالم کو سیراب کیا۔

ہم اگر چہ ایسے وقت یہاں پہنچے ہیں جب یہ پاکیزہ مجلس برخاست ہو چکی، وہ جلوۂ جہاں تاب روپوش ہو چکا۔ لیکن یا اللہ! اس مجلس کو یہ تاثیر بخشنے والے آپ ہی تھے۔

اس مجلس کو انقلاب انگیز آپ ہی نے بنایا تھا اور آپ کی ذات حی وقیوم ہے، آپ کی وہ رحمت آج بھی زندہ و پائندہ ہے جو اس مجلس کے حاضرین پر نازل ہوتی تھی۔ اپنے فضل وکرم سے اس مجلس کے فیوض و برکات کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرما دیجئے اور ہم خستہ حالوں کو اس رحمت سے محروم نہ فرمائیے۔ آمین یارب العالمین

اور اس دُعا کے ساتھ ہی سیدی ومرشدی حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمہ اللہ کے یہ اشعار یاد آگئے ۔

وہ نظر آتا ہے دیکھ اے دل سوادِ کوئے دوست
گوشے گوشے سے جہاں سے آرہی ہے بوئے دوست
آج آساں ہوگئی دشواریٔ منزل مجھے
کھینچ لایا مجھ کو میرا جذبۂ دلِ سوئے دوست
اے وفورِ شوق ! اتنی فرصتِ نظارہ دے
جذب کرلوں دیدہ و دل میں بہارِ رُوئے دوست
جذب کرلے میری ہستی اپنے ہر انداز میں
ہاں مجھے بھی رنگ لے اپنے رنگ میں اے خوئے دوست

عالمِ ربّانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ رحمہ اللہ کے مزار پر

جلال آباد سے روانہ ہوکر تقریباً چالیس منٹ میں ہم گنگوہ پہنچے۔ یہ وہ عظیم بستی ہے جو حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے (دسویں صدی ہجری) سے اہل اللہ کا مرکز رہی ہے، اور تیرہویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی کے اوائل میں یہاں امام ربانی قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی جو مَسندِ ارشاد آراستہ ہوئی، اس نے نہ صرف پورے علاقے کو بلکہ پورے برصغیر کو انوارِ علوم نبوت سے جگمگا دیا۔

گنگوہ کی بستی سے باہر گھنے درختوں کے سائے میں ایک کچے چبوترے پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کا مزار ہے۔ مزار کیا ہے؟ بظاہر ایک سادہ سی کچی قبر ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جلال و جمال کی ایک کائنات یہاں فروکش (آباد) ہے۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ ہمارے تمام بزرگانِ دیوبند کے سرتاج و قافلۂ سالار ہیں۔ آپ کی پوری زندگی اتباعِ سنت کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔

آپ ہی نے مروّجہ بدعات کے خلاف احیائے سنت کا علم بلند کر کے دیوبند کے مسلک کو ان سے ممتاز فرمایا۔ دہلی میں حضرت مولانا مملوک علی صاحب اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ سے علوم حاصل کرنے کے بعد آپ ایک مرتبہ حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی صاحب سے مناظرہ کے لئے تھانہ بھون تشریف لے گئے تھے۔ وہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہ سے ملاقات ہوگئی جس کے نتیجے میں مناظرہ تو دھرا ہی رہ گیا۔ آپ اسی ملاقات میں حضرت حاجی

صاحب سے بیعت ہو گئے اور بیالیس دن وہیں خانقاہ میں مقیم رہے، صرف ایک جوڑا بدن پر رہ گیا تھا اسی کو دھوتے اور دوبارہ پہن لیتے۔ بیالیس دن کے بعد جب وہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت عطا کی اور فرمایا:

''میاں مولوی رشید! جو نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے دی تھی، وہ آپ کو دے دی''۔

گنگوہ پہنچ کر مدتوں استغراق کا عالم طاری رہا۔ کسی نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شکایت کی تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا:

''میاں غنیمت جانو کہ وہ آبادی میں ہیں۔ ان پر جو عالم گزرا ہے، اگر حق تعالیٰ کو ان سے اصلاحِ خلق کا کام لینا نہ ہوتا تو خدا جانے کس پہاڑ کی کھو میں بیٹھے ہوتے۔''

ایک مرتبہ خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خط لکھ کر حال دریافت کیا اس کے جواب میں آپ نے جو حالات بیان فرمائے ان سے آپ کے مقام کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ ''شریعت طبیعت بن گئی ہے۔ مدح وذم یکساں معلوم ہوتی ہے اور کسی مسئلہ شرعی میں کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔''

احقر نے یہ جملے بارہا حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سیدی ومرشدی حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمہ اللہ سے سنے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہ جب یہ مکتوب حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسے سر پر رکھ لیا اور فرمایا: ''اللہ اکبر! ہمیں تو اب تک یہ حالات حاصل نہیں ہو سکے''۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مزار مبارک پر حاضری اس سفر کی اہم اصلاحات میں سے تھی، علم وعمل، ورع وتقویٰ اور جہد وعمل کا یہ پیکر جمیل جس زمین پر آسودہ ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انوار وبرکات کی کیا کیا بارشیں برستی ہوں گی؟ اس کی حقیقت تو اللہ ہی جانتے ہیں، لیکن اتنی بات کا احساس ہم جیسے بھی کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ

خاک قبرش از من و تو زندہ تر

عصر کی اذان ہو چکی تھی۔ چنانچہ مزار مبارک کے پاس بنی ہوئی چھوٹی سی مسجد میں

نماز ادا کی، اور اس کے بعد خانقاہ کی طرف روانہ ہوئے جو بستی کے بیچوں بیچ محلہ سرائے میں واقع ہے۔ یہ خانقاہ دراصل حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی قدس سرہ کی خانقاہ ہے جو دسویں صدی ہجری کے مشہور و معروف اولیاء اللہ میں سے ہیں، اور آپ کا مزار مبارک بھی اسی خانقاہ کے احاطے میں واقع ہے۔

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب قدس سرہ کی یہ خانقاہ بالکل اجاڑ اور ویران ہو چکی تھی، اور اس میں اصطبل بنالیا گیا تھا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہاتھ سے اسے صاف کر کے از سر نو آباد فرمایا۔

پھر یہیں اپنے خرچ سے سہ دری تعمیر فرمائی اور اس میں دورۂ حدیث کا درس شروع فرمایا۔ کچھ دنوں بعد بعض حاسدین نے حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب قدس سرہ کے سجادہ نشینوں کے کان بھرے ہوں گے کہ یہ اس خانقاہ پر قابض ہو رہے ہیں۔

چنانچہ یہ حضرات ایک وفد بنا کر آئے اور عرض کیا کہ ''آپ اس جگہ کو چھوڑ دیں'' اس وقت حضرت اپنے خرچ سے سہ دری تعمیر فرما چکے تھے، اطراف و اکناف سے دورۂ حدیث کے طلباء وہاں مقیم تھے۔ صحاح ستہ کا درس جاری تھا۔

اور یہ خانقاہ تین سو سال بعد آباد ہوئی تھی۔ اگر کوئی اور شخص ہوتا تو سجادہ نشینوں کے اس مطالبے پر جنگ و جدل یا کم از کم مقدمہ بازی تک نوبت پہنچ سکتی تھی۔ کوئی اور ہوتا تو خانقاہ پر قبضہ باقی رکھنے کے لئے دین ہی کے نام پر نہ جانے کتنی تاویلات ذہن میں آتیں، خدمتِ دین اور تحفظِ مسلک کی نہ جانے کتنی دہائیاں دی جاتیں، اور لڑائی جھگڑے کے کتنے ہی جواز فراہم ہو جاتے لیکن وہاں تو ''شریعت طبیعت بن چکی تھی'' اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سامنے تھا۔

''جو شخص حق پر ہوتے ہوئے بھی جھگڑا ترک کر دے میں اس کے لئے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کا ذمہ دار ہوں۔''

حضرت نے ان سجادہ نشین حضرات سے پلٹ کر یہ بھی نہیں پوچھا کہ:

''جب حضرت شیخ کا یہ حجرہ گھوڑوں کا اصطبل بنا ہوا تھا، اس وقت آپ حضرات کہاں تھے؟'' بلکہ ایک لمحہ توقف کئے بغیر فرمایا: ''اس کام کے لئے کسی جماعت کو زحمت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ آپ کسی ایک شخص سے بھی کہلا بھیجتے تو میں جگہ خالی کر دیتا۔''

چنانچہ آپ نے فوراً وہاں سے منتقل ہونے کی تیاری شروع کر دی۔ اطراف و اکناف سے آئے ہوئے جاں نثار شاگردوں کا جم غفیر اس واقعے پر سخت مشتعل تھا۔ لیکن آپ نے انہیں سختی سے فرمایا کہ: ''جو شخص اس فیصلے کے خلاف ایک لفظ زبان سے نکالے گا وہ میرا دوست نہیں دشمن ہوگا۔''

چنانچہ تھوڑی دیر میں آپ نے اپنا سامان وہاں سے اٹھا کر قریبی مسجد میں منتقل فرمالیا اور اللہ کے گھر میں فروکش ہوگئے۔ اس بے مثال ایثار، للّٰہیت اخلاص اور ضبط و تحمل کا ثمرہ اللہ تعالیٰ نے یہ عطا فرمادیا کہ چند ہی روز گزرے تھے کہ سجادہ نشین حضرات اپنے عمل پر پشیمان ہوئے اور دوبارہ آکر درخواست کی کہ آپ اب وہیں تشریف لے جائیں، اور خانقاہ کو دوبارہ آباد فرمائیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ابتداءً انکار فرمایا، لیکن جب ان کا اصرار دیکھا تو دوبارہ وہیں تشریف لے گئے، اور پھر آخر وقت تک اسی خانقاہ میں رونق افروز رہے۔

نیت کے ساتھ عمل کی دُرستگی بھی ضروری ہے

ہمارے معاشرے میں یہ اُصول بھی بہت غلط مشہور ہوگیا ہے... کہ نیت کی اچھائی سے کوئی غلط کام بھی جائز اور صحیح ہوجاتا ہے... واقعہ یہ ہے کہ کسی کام کے درست ہونے کے لئے صرف نیک نیتی ہی کافی نہیں... اس کا طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے۔ (ذکر و فکر، جواہرات شیخ الاسلام)

حضرت حافظ ابوالحجاج مزی رحمہ اللہ کے مزار پر

دمشق کے قیام کے دوران جن بزرگوں کی قبروں پر حاضری ہوئی، اُن میں حافظ ابوالحجاج مزی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اول الذکر تینوں بزرگوں کی قبریں دمشق کے اُس قبرستان میں بیان کی جاتی ہیں جو مقبرۃ الصوفیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اب یہ قبرستان بحیثیت مجموعی تو ختم ہو چکا ہے اور یہاں جامعہ دمشق کی بعض عمارتیں بن گئی ہیں، لیکن ان تین بزرگوں کی قبریں ابھی تک باقی ہیں۔

حافظ ابوالحجاج مزی رحمۃ اللہ علیہ جن کا اصل نام یوسف بن الزکی ہے اور لقب جمال الدین ہے، علم حدیث اور اسماء الرجال کے وہ امام ہیں جن کی کتاب ''تہذیب الکمال'' صحاح ستہ کے رجال پر مستند ترین مأخذ سمجھی جاتی ہے اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب اسی کی بنیاد پر تالیف فرمائی ہیں۔

نیز اطراف پر اُن کی کتاب تحفۃ الاشراف مشہور و معروف ہے۔

یہ اصلاً حلب کے رہنے والے تھے، لیکن پھر دمشق کے محلے مزہ میں آباد ہو گئے تھے اس لئے انہیں مزی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم حدیث اور اسانید کی معرفت کا وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ وقت کے جلیل القدر محدثین مثلاً علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ مشکلات میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ان کے شاگرد علامہ تاج الدین سبکی نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں جن

میں علم حدیث کے طلبہ واساتذہ کیلئے بڑے قیمتی اور نادر فوائد ہیں۔

(طبقات الشافعیۃ للسبکیؒ ص:۲۵۵ تا ۲۶۷، ج:۶ دار المعرفۃ بیروت)

حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نقاد اور مبصر حدیث اُن کے بارے میں یہ تبصرہ کرتے ہیں: یہ وہ صاحب ہیں جو ہماری پیچیدگیاں دور کرتے اور ہمارے لئے مشکل مقامات کو واضح کرتے ہیں۔ (الدرر الکامنہ، للحافظ ابن حجرؒ، ص:۴۶۰، ج:۴)

ان کی عمر نوے سال سے زیادہ ہوئی، مگر وہ اپنے لئے کوئی سواری نہیں رکھتے تھے اور آخرِ عمر تک پیدل چل کر مدرسہ جایا کرتے تھے اور اس بڑھاپے میں بھی ٹھنڈے پانی سے غسل فرماتے تھے، انتہائی نرم خو، کم گو اور باوقار بزرگ تھے۔

ان کی مجلس میں کبھی کسی کی غیبت نہیں سنی گئی۔ مال و دولت کی طرف کبھی توجہ نہیں فرمائی اور زیادہ عمر تنگدستی میں بسر کی، یہاں تک کہ آخر میں معاشی ضرورت کی بناء پر اپنی مایہ ناز تالیف ''تہذیب الکمال'' کا اپنے قلم سے لکھا ہوا نسخہ فروخت کرنے پر مجبور ہوئے۔ (الدرر الکامنہ، للحافظ ابن حجر، ص:۴۶۰، ج:۴)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان کے داماد تھے اور انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ وہ بہت کم دن بیمار رہے۔ جمعہ کے دن حدیث کا درس دے کر جمعہ کی تیاری کر رہے تھے کہ اچانک پیٹ میں درد اُٹھا جسے قولنج سمجھا گیا مگر درحقیقت وہ طاعون کا اثر تھا، یہاں تک کہ آیۃ الکرسی پڑھتے پڑھتے ۱۲ صفر ۷۴۲ھ کو وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ص ۴۲۷، ج:۱۸)

علّامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ کے مزار پر

دوسری قبر حافظ مزّی کے مایہ ناز شاگرد علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، اگرچہ زیارتِ قبور کے بارے میں ان کا مسلک معروف ہے، لیکن شدرحال کے بغیر کسی بزرگ کی قبر پر سلام عرض کرنے کو وہ بھی ناجائز نہیں کہتے۔

دوسری طرف ان کے تفردات کے باوجود ان کے تبحر علمی، ان کی خدمات جلیلہ اوران کی شجاعت وعزیمت کی بناء پر دل میں ہمیشہ ان کیلئے محبت واحترام کے جذبات موجزن رہے ہیں، اس لئے ان کی قبر پر سلام عرض کرنے کی توفیق ہوئی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہماری تاریخ کی ان شخصیات میں سے ہیں جن کے بارے میں لوگ عموماً افراط وتفریط کا شکار رہے ہیں، ان کے بعض نظریات اور بعض فقہی تفردات کی بناء پر انہی کے زمانے میں کچھ حضرات نے انہیں گمراہ قرار دیا، اور اس کی بناء پر انہیں بار بار قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔

یہاں تک کہ آخر عمر میں انہیں قلعۂ دمشق میں نظر بند کیا گیا اور وہیں ۷۲۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ دوسری طرف ان کے مداحوں کے ایک گروہ نے ہر ہر معاملے میں ان کی اتباع اور دفاع میں اتنا غلو کیا کہ ان کے مقابلے میں علماءِ اُمت کی عظیم اور مایۂ ناز شخصیات کی تنقیص سے بھی گریز نہیں کیا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے مزار پر

''مقبرۃ الصوفیہ'' میں جو تین قبریں باقی رہ گئی ہیں ان میں تیسری قبر جو علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی پائنتی کی طرف ہے، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کی جاتی ہے۔ان کا نام اسماعیل تھا، لقب عماد الدین اور کنیت ابوالفداء۔

یہ حافظ مزی کے داماد بھی تھے اور ان کے خاص شاگرد بھی۔ وہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھی شاگرد تھے اور شافعی المسلک ہونے کے باوجود ان کے بعض نظریات میں ان سے متفق بھی۔ لیکن حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح انہوں نے بھی علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کے مناقب بیان کرنے کے بعد ان پر بڑا معتدل تبصرہ فرمایا ہے:

خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بڑے علماء میں سے تھے اور دوسرے علماء کی طرح ان سے بھی صحیح باتوں کے ساتھ غلطیاں بھی ہوئیں اور بخاری کی صحیح حدیث میں ہے کہ فیصلہ کرنے والا حق تک پہنچنے کی کوشش کر کے صحیح فیصلہ کرے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور کوشش کے باوجود غلطی کر جائے تو ایک اجر۔

نیز امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص کے اقوال میں کچھ قابل قبول ہوتے ہیں اور کچھ قابل ترک۔'' (البدایۃ والنہایۃ، ص:۳۰۲، ج:۱۸)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ بصریٰ میں پیدا ہوئے تھے، یہ صرف تین سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا، لہٰذا ان کی پرورش ان کے بڑے بھائی شیخ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور وقت کے کبار علماء سے علم حاصل کرنے میں اُن کی

مدد کی۔ اُن کی تفسیر پر نہ صرف علماءِ وقت نے اعتماد کیا بلکہ وہ بعد میں تفسیر کے بنیادی مآخذ میں شمار ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے تفسیری روایات نقل کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کی چھان پھٹک اور جرح وتعدیل کا بھی فی الجملہ اہتمام فرمایا ہے۔

اسی طرح اُن کی تاریخ ''البدایۃ والنہایۃ'' تاریخ اسلام کے مستند ترین مآخذوں میں سے ہے۔ کیونکہ انہوں نے تاریخ طبری رحمۃ اللہ علیہ، کامل ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ، تاریخ الاسلام للذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے شیخ حافظ علم الدین برزالی کی تواریخ کو سامنے رکھ کر واقعات کا انتخاب فرمایا ہے اور اس میں استنادِ روایات کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مدنظر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وسعت علم کے ساتھ انہیں ذوق عبادت بھی عطا فرمایا تھا، یہاں تک کہ ابنِ حبیب رحمہ اللہ نے انہیں ''امام ذی التسبیح والتہلیل'' (تسبیح وتہلیل کا امام) قرار دیا ہے۔ (انباء الغمر للحافظ ابن حجر، ص:۴۶، ج:۱)

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے شگفتہ طبیعت عطا فرمائی تھی اور ان کی مجلسیں پاکیزہ مذاق کی حامل ہوتی تھیں۔ شعر وادب کا بھی ذوق تھا اور ان کے یہ دو شعر اس ذوق کی شہادت دیتے ہیں:

تمر بنا الأیام تتری وانما نساق الی الاجال والعین تنظر
فلا عائد ذاک الشباب الذی مضیٰ ولازائل ھذا المشیب المکدر

(انباء الغمر بأنباء العمر، ۱:۴۰)

ہمارے سامنے دن ہیں کہ گزرے چلے جاتے ہیں اور ہم ہیں کہ اپنی آنکھوں کے سامنے موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں جوانی جو گزر گئی ہے اب نہ وہ واپس آنے والی ہے اور نہ یہ بڑھاپا جس نے زندگی مکدر کردی ہے، جانے والا ہے۔

۱۵ شعبان ۷۷۴ھ کو وفات پائی اور اپنے دو استادوں کے ساتھ یہاں مدفون ہیں۔

علّامہ ابنِ قیّم رحمہ اللہ کے مزار پر

دمشق کے باب الجابیہ کے آگے گزرتے ہوئے ہمارے ایک رفیق سفر نے ایک قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ہے، اس لئے وہاں بھی سلام عرض کیا، ان کا نام شمس الدین محمد بن ابی بکر تھا۔

ان کے والد علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ مدرسہ جوزیہ کے مہتمم تھے۔ اس لئے انہیں قیم الجوزیہ کہا جاتا تھا۔ ان کی نسبت سے یہ ''ابن قیم الجوزیہ'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں یہ سب سے زیادہ ان کے ساتھ رہے۔ یہاں تک کہ قید بھی ان کے ساتھ کاٹی اور اُن کے افکار کے شارح و ناشر کی حیثیت سے پہچانے گئے۔ کم و بیش ہر مسئلے میں وہ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم نوا تھے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خصوصیت اُن کی وہ کتابیں ہیں جو انہوں نے تزکیہ نفس کے موضوع پر لکھی ہیں اور عظیم الشان فوائد کی حامل ہیں۔ ہم جیسے طالب علم اُن کی کتابوں سے استفادہ بھی کرتے آئے ہیں اور بہت سے وہ اُمور جن میں انہوں نے جمہور سے الگ راستہ اختیار کیا ہے، ان میں اختلاف بھی۔ لیکن ان کے علم و فضل اور ان کی خدمات یقیناً قابل احترام و محبت ہیں۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے مزار پر

حمص شام کا وہ مشہور شہر ہے جو کسی زمانے میں قیصرِ روم کی اقامت گاہ بھی رہا ہے۔ حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ نے دمشق کی فتح سے فارغ ہوکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہاں بھیجا تھا اور پھر خود ان کے ساتھ آ کر شامل ہو گئے تھے۔

شروع میں یہاں لڑائی ہوئی لیکن بعد میں اہل شہر نے صلح کی پیشکش کی اور اس طرح دمشق کی طرح یہ شہر بھی صلحاً فتح ہوا اور صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین اور بڑے بڑے علماء اور اہل اللہ کا مرکز رہا۔ مشہور روایت کے مطابق حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ یہیں پر مدفون ہیں اور انہی کے نام پر یہاں کی سب سے بڑی جامع مسجد خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کہلاتی ہے۔ مسجد ہی کے ایک گوشے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مزار بیان کیا جاتا ہے، وہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جن کے نام اور ان کے کارناموں سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے، انہوں نے اسلام کیلئے سو سے زیادہ جنگیں لڑیں اور ان کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ ''جس رات میں مجھے کوئی نئی نویلی دلہن پیش کی جائے، یا مجھے کسی لڑکے کی ولادت کی خوشخبری دی جائے، مجھے اُس رات سے زیادہ محبوب نہیں جو سختیوں سے بھری ہوئی ہو اور میں اس میں مہاجرین کے کسی لشکر کے ساتھ دشمن سے نبرد آزما ہوں۔'' (الاصابہ۔ص ۲۱۸، ج:۲)

جنگ یرموک کے موقع پر ان کی ٹوپی گم ہوگئی تھی، انہوں نے بہت اہتمام سے اسے تلاش کروایا، لوگوں نے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے اس ٹوپی میں حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک رکھے ہوئے ہیں۔ جس جنگ

میں بھی یہ ٹوپی میرے ساتھ ہوتی ہے، اس میں مجھے کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ (الاصابہ۔ص ۲۱۷، ج:۲)

یہ بھی کرشمۂ قدرت ہے کہ اتنی جنگیں لڑنے کے باوجود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات بستر پر ہوئی اور ان کا یہ مقولہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا کہ:

جہاں مجھے قتل ہونے کا گمان ہوسکتا تھا، میں وہاں وہاں (شہادت کی طلب میں) پہنچا، لیکن میرے مقدر میں یہی تھا کہ میں اپنے بستر پر مروں اور کلمہ طیبہ کے بعد مجھے اپنے کسی عمل سے اتنی زیادہ (ثواب کی) اُمید نہیں جتنی اس رات سے ہے جو میں نے سر پر ڈھال رکھ کر اس حالت میں گزاری کہ آسمان سے صبح تک بارش برستی رہی اور صبح کے وقت ہم نے کفار پر حملہ کیا۔"

اس کے بعد انہوں نے وصیت کی کہ میرے تمام ہتھیار اور گھوڑے اللہ کے راستے میں جہاد کیلئے دیدیئے جائیں۔ مشہور تو یہی ہے کہ ان کی وفات حمص میں ہوئی لیکن دوسری روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ میں وفات پائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے جنازے میں شریک ہوئے، علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر روایات ان کے حمص میں وفات پانے پر دلالت کرتی ہیں۔ (معجم البلدان، ص:۳۰۳، والاصابہ، ص:۲۱۹، ج:۲)

اسی مسجد کے ایک اور گوشے میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی قبر بتائی جاتی ہے اور علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قبر کے قریب دوآبۂ دجلہ وفرات کے فاتح حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ کی قبر کا بھی ذکر کیا ہے۔

حمص ہی میں ایک اور جگہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی بنا ہوا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مختلف صحابہ اور بزرگوں کے مزارات کے بارے میں روایات اتنی مختلف ہیں کہ کوئی بات یقین کے ساتھ کہنی مشکل ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے مزار پر

ہماری گاڑی دیر سمعان میں داخل ہوئی تو آس پاس چھوٹی سی بستی تھی، اور اس میں ایک بڑی مسجد بنی ہوئی تھی، اسی مسجد کے احاطے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، اور انہی کی پائنتی میں اُن کی باوفا اہلیہ حضرت فاطمہ کا۔

ان دونوں کی قبر پر سلام عرض کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں، یہ تاریخ اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جنہیں پانچواں خلیفہ راشد کہا گیا ہے۔

علامہ ابن جوزی نے حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلفاء راشدین مہدیین میں شمار کیا۔ (سیرۃ، ۷۲، ۷۳)

انہوں نے اس وقت حکومت کی باگ ڈور سنبھالی جب بنو امیہ کے خلفاء میں بادشاہت کا رنگ آچکا تھا، اور حکمرانی میں شرعی احکام کی پابندی کا اہتمام باقی نہیں رہا تھا۔ اُن سے پہلے سلیمان بن عبدالملک نے اپنے دور خلافت میں کچھ اصلاح کی ناتمام کوشش کی تھی، لیکن وہ محض چند جزوی اِصلاحات تھیں۔

اُس دور کے حساس علماء اس صورتحال سے ناخوش اور پریشان تھے۔

اُسی زمانے میں وقت کے جلیل القدر محدث اور فقیہ امام رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ تابعین میں سے تھے، متعدد صحابہ کرام کے شاگرد تھے، اور اپنے وقت میں شام کے سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔ (تذکرہ الحفاظ للذہبیؒ، ص ۱۱۸، ج ۱)

انہوں نے اصلاح حال کیلئے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے پاس اثر ونفوذ حاصل کیا، یہاں تک کہ خلیفہ ان پر اعتماد کرنے لگے۔

جب سلیمان بن عبدالملک مرض وفات میں مبتلا ہوئے اور اپنے بعد کیلئے کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا وقت آیا تو وہ اپنے بیٹے ایوب یا داؤد کو نامزد کرنے کا ارادہ کررہے تھے، لیکن حضرت رجاء بن حیوہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا:

''اللہ تعالیٰ سے ڈریئے، آپ اپنے پروردگار کے پاس جارہے ہیں وہ آپ سے اس معاملے میں بھی باز پرس کرے گا۔'' سلیمان نے پوچھا: 'پھر آپ کس کا مشورہ دیتے ہیں؟'' حضرت رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

''عمر بن عبدالعزیز کو نامزد کر جائیں۔''

سلیمان بن عبدالملک کو خوف تھا کہ خاندان کے لوگ سخت مخالفت کریں گے، لیکن حضرت رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ نے ان کی ہمت بندھائی اور بالآخر انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلیفہ نامزد کردیا۔ (تاریخ الاسلام للذہبی۔ص ۱۹۲، ۱۹۳۔ج ۷)

خلافت سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک سجیلے اور خوش پوشاک نوجوان تھے، اور ان کی چال ڈھال شہزادوں کی طرح تھی، لیکن خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی ان کی زندگی میں انقلاب آگیا۔ ابوالفرج اصبہانی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہم عصر صالح سے نقل کیا ہے کہ ہم نے اپنے دھوبی سے کہہ رکھا تھا کہ ہمارے کپڑے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے کپڑوں سے بچے ہوئے پانی سے دھویا کرو، کیونکہ ان کے کپڑوں میں مشک بہت ہوا کرتی تھی۔ اس خصوصیت کیلئے ہم دھوبی کو زیادہ پیسے بھی دیتے تھے، لیکن خلافت کے بعد ان کے کپڑوں کا حلیہ ہی بدل گیا۔ (الأغانی، ص ۱۵۵، ج:۸)

خلافت کے اعلان اور ان کے پہلے خطبے کے بعد واپس جانے کیلئے ان کے پاس شاہی سواری لائی گئی، مگر انہوں نے واپس کردی اور اپنے ذاتی خچر پر سوار ہوکر واپس

گئے اور پہلا کام یہ کیا کہ اپنے اور اپنے خاندان کی ساری دولت بیت المال میں داخل کر دی، پچھلے حکمرانوں نے لوگوں کے جو مال غصب کئے تھے، ایک ایک کر کے سب کو لوٹائے، ظالمانہ ٹیکسوں کا خاتمہ کر دیا اور خود انتہائی سادگی کی زندگی بسر کی جس میں بسا اوقات ایک ہی جوڑا مہینوں ان کے جسم پر رہتا تھا، اسی کو دھو دھو کر پہنتے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا خوف ہر وقت ان کے ذہن پر طاری رہتا تھا۔ ان کی اہلیہ بتاتی ہیں کہ دن بھر حکومت کے کاموں میں مصروف رہنے کے بعد رات کو گھر آتے تو عشاء کے بعد بارگاہ الٰہی میں ہاتھ اُٹھا کر رات گئے تک روتے رہتے تھے۔ سرکاری باورچی خانے کے چولہے سے وضو کا پانی گرم کرنا بھی انہیں گوارا نہیں تھا، عدل وانصاف اور مخلوق خدا کی راحت رسانی کیلئے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی انہوں نے دریغ نہیں کیا۔ ان کو اڑھائی سال سے بھی کچھ کم حکومت کا وقت ملا اور صرف چالیس سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی، لیکن اس اڑھائی سال میں انہوں نے ملک کی کایا ہی پلٹ ڈالی اور خلافت راشدہ کا پورا پورا نمونہ دکھا کر دنیا سے تشریف لے گئے۔

تاریخ اسلام کی اس عظیم شخصیت کی قبر پر سلام عرض کرتے وقت دل کی عجیب کیفیت تھی، عظمت کردار کے اس فلک بوس پہاڑ کے سامنے اپنا وجود زمین پر ایک بوجھ محسوس ہو رہا تھا، انہی کی پائنتی میں ان کی باوفا اہلیہ حضرت فاطمہ مدفون ہیں وہ فاطمہ جنہوں نے ایک شہزادی کی حیثیت سے ناز ونعم میں پرورش پائی تھی اور عمر بن عبدالعزیز سے ایک شہزادہ سمجھ کر ہی نکاح کیا تھا، لیکن جب انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو تو اپنے تمام زیورات، ہیرے جواہر اور اپنی پوری دولت بیت المال میں داخل کرنی ہوگی تو انہوں نے بلا تامل جواب دیا کہ مجھے آپ کا ساتھ اس سے سینکڑوں گنا دولت قربان کر کے بھی منظور ہے، اور پھر ساری زندگی اپنے شوہر کے ساتھ عُسرت کی حالت میں گزار دی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

علّامہؒ علاؤالدینؒ کاسانیؒ رحمہ اللہ کے مزار پر

مشہور حنفی فقیہ علامہ علاؤالدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''بدائع الصنائع'' اُن کتابوں میں سے ہے جن سے ہم جیسے طالب علم دن رات استفادہ کرتے رہتے ہیں، اور حسن ترتیب کے اعتبار سے یہ فقہ حنفی کی نفیس ترین کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی مقبولیت سے نوازا ہے۔ اس کی تالیف کا عجیب واقعہ یہ ہے کہ علامہ علاؤ الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ علامہ محمد بن احمد سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی فاطمہ بھی عالمہ تھیں، اور انہوں نے اپنے والد کی کتاب حفظ کر لی تھی۔

وہ حسن و جمال میں بھی بہت فائق تھیں اور بعض شہزادوں کی طرف سے ان کے رشتے آ چکے تھے، لیکن ان کے والد کسی اچھے عالم سے ان کا نکاح کرنا چاہتے تھے، اسی دوران اُن کے شاگرد علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ اُن کی خدمت میں آئے اور انہوں نے نہ صرف ان سے بہت سی کتابیں پڑھیں بلکہ ''تحفۃ الفقہاء'' کی مبسوط شرح دمج کے طریقے پر لکھی۔ یعنی اسی طرح کہ متن اور شرح یکجان ہو گئے۔

استاذ نے جب شرح دیکھی تو نہایت مسرور ہوئے اور اپنی صاحبزادی فاطمہ کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا اور اسی کتاب کو ان کا مہر مقرر کیا، یہاں تک کہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ فقرہ مشہور ہو گیا کہ:

شَرَحَ تُحْفَتَهٗ وَتَزَوَّجَ اِبْنَتَهٗ

''انہوں نے اپنے استاذ کی کتاب تحفہ کی شرح لکھی اور انہی کی بیٹی سے نکاح کیا۔''

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ اس کے بعد جب اس گھرانے

سے کوئی فتویٰ جاری ہوتا تو اس پر باپ، بیٹی اور داماد تینوں کے دستخط ہوتے تھے۔علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی فاضل اہلیہ پہلے وفات پاگئی تھیں اور علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر جمعہ کی شب میں ان کی قبر پر جانا نہیں چھوڑا۔ پھر جب ان کی وفات ہوئی تو انہیں بھی اپنی اہلیہ کے ساتھ دفن کیا گیا، یہاں تک کہ اہل حلب میں یہ دونوں قبریں ''قبر المراۃ وزوجھا'' کے نام سے مشہور تھیں اور لوگوں میں یہ بھی مشہور تھا کہ یہاں جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔(الفوائد البہیۃ۔ص:۵۳،ج:۱)

الحمدللہ! دونوں کی قبروں پر سلام عرض کرنے اور ایصال ثواب کی توفیق ہوئی۔

راحت کا نسخہ کیمیا

دُنیا میں راحت سے رہنے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے...وہ یہ کہ مخلوق سے توقعات ختم کردو...مثلاً یہ توقع رکھنا کہ فلاں شخص میرے ساتھ اَچھائی کرے گا...فلاں شخص میرے کام آئے گا...فلاں شخص میرے دکھ درد میں شریک ہوگا...یہ تمام توقعات ختم کرکے صرف ایک ذات یعنی اللہ جل شانہ سے توقع رکھو...اس لئے کہ مخلوقات سے توقع ختم کرنے کے بعد اگر ان کی طرف سے کوئی اچھائی ملے گی...تو وہ خلاف توقع ملے گی اس کے نتیجے میں خوشی بہت ہوگی...کیونکہ خلاف توقع ملی ہے...اور اگر مخلوق کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے گی تو پھر رنج زیادہ نہیں ہوگا...اس لئے کہ اچھائی کی توقع تو تھی نہیں تکلیف ہی کی توقع تھی وہ تکلیف توقع کے مطابق ہی ملی...اس لئے صدمہ اور رنج زیادہ نہیں ہوگا۔(اصلاحی خطبات ۸، جواہرات شیخ الاسلام)

شیخ یعقوب چرخی رحمہ اللہ کے مزار پر

حضرت شیخ یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ اصلاً غزنی کے قریب ایک بستی چرخ کی طرف منسوب ہیں۔ وہ نقشبندی سلسلے کے بانی حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے تھے۔

لیکن حضرت نے انہیں اپنے خلیفہ حضرت علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کر دیا تھا جو چغانیاں میں مقیم تھے، اس لئے وہ بھی یہاں آ کر مقیم ہو گئے تھے اور انہی کے اصحاب میں شمار ہوئے۔ وہ صوفیاء کرام میں بلند مرتبہ کے حامل تھے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ ان کے خلیفہ تھے، جن سے نقشبندی سلسلے کی ایک مستقل شاخ چلی ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب نفحات الانس میں اور حضرت شیخ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے نسمات القدس میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

یہاں ان کے مزار کے پاس ایک مسجد ہے جس کے صحن کے چاروں طرف کچھ اس قسم کی عمارتیں بنی ہوئی ہیں جیسے وہ کسی وقت مدرسہ رہی ہوں ، پھر مسجد کی مشرقی سمت میں ان کا مزار واقع ہے۔

ان کو سلام عرض کرنے اور ایصال ثواب کی توفیق ہوئی۔

اِمام سرخسیؒ رحمہ اللہؒ کے محلّے میںؒ

ہم اوزجند کے پرانے محلوں سے گزرتے ہوئے ایک محلے میں پہنچے جہاں شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر بتائی جاتی ہے۔ یہ قبر ایک گنجان آبادی کے درمیان واقع ہے، اور آثار قدیمہ کے لوگوں نے بتایا کہ اس قبر پر ایک بہت پرانا کتبہ لگا ہوا تھا جس پر شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لکھا ہوا تھا۔

آثارِ قدیمہ کے لوگ اسے روس لے گئے تھے۔ ہم جب اس قبر کے پاس پہنچے تو شہر کی انتظامیہ کے کچھ اعلیٰ افسر ہمارے ساتھ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جب ہمیں صاحب قبر کی اہمیت اور عظمت کا علم ہوا تو ہم نے یہاں اس قبر کے قریب ایک مسجد اور مدرسہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن یہ پورا علاقہ مکانات کی گنجان آبادی سے گھرا ہوا تھا اور یہاں کے لوگ کہیں اور منتقل ہونے کو تیار نہیں تھے لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ یہاں ایک بہت بڑے عالم کی یادگار کے طور پر ایک مسجد و مدرسہ تعمیر کرنے کا ارادہ ہے تو یہاں کے مکین اپنی جگہ مناسب قیمت پر چھوڑنے کیلئے تیار ہوگئے۔ یہاں مجوزہ مسجد اور مدرسہ کا نقشہ بھی لگا ہوا تھا۔

اس نقشے سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ قبر کو بھی پختہ کر کے اُس پر گنبد بنانے کا ارادہ ہے۔ میں نے انتظامیہ کے لوگوں سے کہا کہ قبر کو پختہ بنانا اور اُس پر گنبد تعمیر کرنا درست نہیں ہے، اور خود علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ اس کو ہرگز پسند نہ کرتے اس لئے نقشے میں یہ تبدیلی کرنی چاہئے۔ انہوں نے اس پر غور کرنے کا وعدہ تو کیا، لیکن معلوم نہیں وہ کس حد تک اس پر عمل کر پائیں گے۔

امام سرخسیؒ رحمۃ اللہ علیہ

اور کنویں میں مبسوط کی تالیف

شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۴۳۸ھ) کا پورا نام محمد بن احمد ابوبکر سرخسی ہے، وہ پانچویں صدی کے ان علماء میں سے ہیں جنہیں آیۃ من آیات اللہ کہنا چاہئے۔ اصل میں تو وہ خراسان کی ایک بستی سرخس کی طرف منسوب ہیں، لیکن شاید حصول علم کیلئے فرغانہ کے اس علاقے میں آئے ہونگے۔

انہوں نے حاکمِ وقت کی مرضی کے خلاف کوئی فتویٰ دیا، یا کوئی بات بطور نصیحت کہی جس کی پاداش میں حاکم وقت خاقان نے انہیں ایک کنویں نما گڑھے میں قید کردیا۔ وہ بات کیا تھی جس پر حاکم وقت نے انہیں اتنی سخت سزا دی؟

اس کی تفصیل کسی مستند ذریعے سے معلوم نہیں ہوسکی۔ ڈاکٹر صلاح الدین مُنجد نے شرح السیر الکبیر کے مقدمے میں ایک وجہ بیان کی ہے کہ خاقان نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کر کے عدت سے پہلے ہی اس سے نکاح کرلیا تھا۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اعتراض کیا تھا مگر اس کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا اور اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ ان کی رہائی کے بعد کا مستند تذکروں میں ملتا ہے، ہوسکتا ہے کہ کسی کو اس سے اشتباہ ہوگیا ہو۔

وجہ کوئی بھی ہو حاکم وقت نے انہیں کسی حق کے کلمے کی پاداش میں اس سخت آزمائش میں مبتلا کردیا تھا کہ وہ سالہا سال کیلئے ایک کنویں نما گڑھے میں قید کردیئے

گئے جہاں ان کیلئے چلنا پھرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے مبسوط کی کتاب السیر کے آخر میں یہ بات لکھی ہے کہ انہیں ایک حق کے کلمے کی وجہ سے قید کیا گیا تھا لیکن اس کی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ (ان کی عبارت آگے آرہی ہے)

ظاہر ہے کہ ان کے شاگردوں کو اس واقعے سے کتنا دُکھ ہوا ہوگا۔ انہوں نے اپنے استاذ کی دل بستگی کیلئے درخواست کی کہ ہم روزانہ اس کنویں کے منہ پر آجایا کریں گے، آپ ہمیں کچھ املا کرادیا کریں۔ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ پہلے سے چاہتے تھے کہ امام حاکم شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الکافی کی شرح لکھیں۔ چنانچہ انہوں نے اسی کنویں سے اپنی عظیم کتاب ''المبسوط'' املا کرانی شروع کی اور علم کی تاریخ کا یہ منفرد شاہکار اوزجند کے ایک کنویں نما قید خانے میں اس طرح وجود میں آیا کہ تیس ضخیم جلدوں کی یہ کتاب کنویں سے بول بول کر کنویں کے منہ پر بیٹھے ہوئے شاگردوں کو لکھوائی گئی۔

کتاب کے مقدمے میں خود شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''میں نے یہ مناسب سمجھا کہ مختصر (حاکم) کی ایک شرح لکھوں، جس میں ہر مسئلے کے بارے میں راجح بات پر کوئی اضافہ نہ کروں اور ہر باب میں صرف وہ حکم بیان کروں جو قابل اعتماد ہو۔ اس پر مزید اضافہ یہ ہوا کہ میرے ساتھیوں میں سے کچھ خاص لوگوں نے میری قید کے زمانے میں مجھ سے اس کی فرمائش بھی کی اور میری اُنسیت کی خاطر میری یہ مدد کی کہ میں انہیں یہ شرح املا کرادیا کروں، چنانچہ میں نے ان کی اس فرمائش کو قبول کیا۔'' (المبسوط، ص:۵، ج:۱)

چنانچہ جن شاگردوں نے شرح لکھنی شروع کی، ان کا یہ جملہ کتاب کے بالکل شروع میں موجود ہے کہ:

قال الامام الاجل الزاهد شمس الائمة ابوبكر محمد بن ابی سهل السرخسی رحمه الله ونور ضريحه وهوفی الحبس باوزجنداملاء.

امام اجل شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اوزجند میں قید ہونے کی حالت میں

فرمایا: پھر امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے تقریباً تمام تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ وہ کنویں سے جو املا کراتے تھے، وہ خالص اپنی یادداشت کی بنیاد پر املا کراتے تھے، کسی کتاب کی مدد انہیں حاصل نہیں تھی، اور یہ بات ظاہر بھی ہے کہ کنویں میں قید ہونے کی حالت میں دوسری کتابوں سے باقاعدہ استفادہ بظاہر ممکن نہیں تھا۔

جن حضرات نے مبسوط سے استفادہ کیا ہے، وہ اس کرامت کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں کہ اتنی تحقیقی کتاب جو بعد والوں کیلئے فقہ حنفی کا مستند ماخذ بن گئی کس طرح تمام تر حافظے سے لکھوائی گئی ہے۔ یہ حقیقت ذہن نشین ہو تو اس روایت کی صحت کا اندازہ ہو سکتا ہے جو متعدد تذکرہ نگاروں نے نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے درس کے حلقے میں بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے کہا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کو تین سو گُرّا سے (یعنی کاپیاں) حفظ یاد تھیں۔

اس پر امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''حفظ الشافعی زکوٰۃ محفوظی'' یعنی مجھے جتنا یاد ہے امام شافعی کو اس کی زکوٰۃ یاد تھی۔ (الجواہر المضیئۃ للقرشی۔ج ۳، ص ۸۰)

جس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے تقریباً چالیس گنا زیادہ باتیں یاد تھیں، اور انہوں نے جس حالت میں جس طرح مبسوط لکھوائی ہے، اُس کے پیش نظر یہ بات کچھ زیادہ بعید معلوم نہیں ہوتی۔

ایک کنویں یا گڑھے میں بند ہونے کی حالت میں اس عظیم شخصیت پر کیا گزرتی ہوگی؟ اس کا اندازہ بھی ہمارے لئے مشکل ہے اور خود انہوں نے مبسوط کی تالیف کے دوران مختلف ابواب کے آخر میں اپنی حالت کا بڑے پُر درد الفاظ میں ذکر فرمایا ہے۔

چنانچہ عبادات کے مسائل چار جلدوں میں لکھوانے کے بعد کتاب المناسک (حج) کے آخر میں وہ فرماتے ہیں:

یہ واضح ترین مضامین اور مختصر ترین عبارت میں عبادات کی شرح کا آخری حصہ ہے، جسے ایک ایسے شخص نے املا کرایا ہے جو اس طرح قید میں ہے کہ نہ جمعہ میں

حاضری دے سکتا ہے، نہ جماعت سے نماز پڑھ سکتا ہے (البتہ) سید السادات جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات لے کر مبعوث ہوئے تھے ان پر اور جو مومن مرد اور عورتیں آپ کے اہل میں داخل ہیں، ان پر درود بھیجتے ہوئے اس حصے کو لکھوایا ہے۔ (اس طرح) کتاب الحج اللہ تعالیٰ کے احسان سے پوری ہوگئی ہے۔ بے شمار ابدی تعریفیں اسی کی ہیں جن کی کوئی انتہاء نہیں۔'' (المبسوط۔ج:۳،ص:۳۴۸)

اس عبارت میں اس دلی حسرت کا انتہائی مؤثر اظہار ہے کہ چار ضخیم جلدوں میں نماز اور دوسری عبادتوں کے احکام ایسی حالت میں لکھوائے گئے ہیں جب خود مؤلف جماعت سے نماز پڑھنا تو کجا، جمعہ میں حاضر ہونے سے بھی محروم ہے، لیکن آزمائش کی حالت میں یہ عظیم خدمت انجام دینے پر اللہ تعالیٰ نے انہیں جمعہ اور جماعت کے ثواب سے بھی نہ جانے کتنا زیادہ نوازا ہوگا۔ اعلیٰ اللہ تعالیٰ درجاتہ

اور پانچویں جلد میں کتاب النکاح کے ختم پر فرماتے ہیں:

''نکاح کے بارے میں جو مضامین صحیح روایتوں پر مبنی ہیں، یہ ان کا آخری حصہ ہے، جسے ایک رہائی اور کامیابی کے منتظر شخص نے اس حالت میں املا کرایا ہے کہ وہ اُس ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتا ہے جسے حق دے کر نیزہ وتلوار کے ساتھ بھیجا گیا تھا اور اُن کے آل واصحاب پر جو صلاح وتقویٰ کے حامل تھے جنہوں نے حق کی راہیں ہموار کیں اور کامیابی کے راستے پر چلے۔'' (ج:۵،ص:۵۱۲)

پھر ساتویں جلد میں کتاب الطلاق کے ختم پر فرماتے ہیں:

''یہ کتاب الطلاق کی شرح کا آخری حصہ ہے جس میں دقیق مضامین میں سے قابل ترجیح مسائل درج کئے گئے ہیں۔ اسے ایک ایسے شخص نے لکھوایا ہے جو اس طرح قید ہے کہ چل پھر نہیں سکتا اور (عزیزوں دوستوں کی) جدائی کی وحشت میں مبتلا ہے۔ وہ صاحب براق صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب پر جو بھلائیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے، ایسا دُرود بھیجتا ہے جو قیامت کے دن تک دوگنا چوگنا ہوتا رہے۔ اسے

ایک ایسے بندے نے لکھا ہے جو نفاق سے برأت کا اظہار کرتا ہے۔'' (ج:۷،ص۱۰۷)

پھر آٹھویں جلد میں کتاب الولاء کے ختم پر فرماتے ہیں:

''یہاں کتاب الولاء کی شرح اختتام کو پہنچی جو ایک ایسے شخص نے لکھوائی ہے جو کئی طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اس آزمائش اور جلاوطنی کو عزت اور سربلندی سے تبدیل فرمادے۔ کیونکہ یہ اس کیلئے بہت آسان ہے اور وہ ہر اُس چیز پر قادر ہے جو اس کی مشیت کے مطابق ہو۔ **وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ الطاھرین۔**'' (ج:۸۔ص۲۲۳)

اس کے بعد بارہویں جلد میں کتاب الجہاد والسیر کے خاتمے پر فرماتے ہیں:

''سیر کی شرح اختتام کو پہنچی جو منقول معانی پر مشتمل ہے، اور ایسے شخص نے املا کرائی ہے جس نے ایک واضح حق کا کلمہ کہا تھا جس کی وجہ سے اُسے قیدی کی طرح بند کر دیا گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے جو ہر چیز جاننے والا، ہر بات سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے، رہائی کا منتظر ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے ہر صحابی اور مددگار پر درود بھیجتا ہے جو اپنی اُمت کو خوشخبری دینے والے، ان کی شفاعت کرنے والے اور خبردار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ لطف فرمانے والے، ہر چیز سے باخبر ہیں۔'' (ج:۱۲۔ص:۳۵۴)

اسی طرح مبسوط کے کچھ نسخوں کی اٹھارہویں جلد میں کتاب الاقرار کے ختم پر یہ عبارت بھی موجود ہے: ''کتاب الاقرار کی شرح پوری ہوئی، جو حقائق واسرار کے مضامین پر مشتمل ہے، اُسے ایک ایسے شخص نے نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے املا کرایا ہے جو بُرے لوگوں کے مقام پر قید ہے۔''

اکثر تذکرہ نگاروں کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پوری مبسوط قید ہی کی حالت میں لکھی ہے۔ البتہ چونکہ پرانے تذکرہ نگاروں نے پندرہ جلدوں کا ذکر کیا ہے اور موجودہ مطبوعہ نسخہ تیس جلدوں میں چھپا ہے، اس لئے بعض حضرات یہ سمجھے

کہ انہوں نے آدھی کتاب قید میں اور باقی آدھی رہائی کے بعد لکھی ہے۔

لیکن تحقیق سے یہ معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم کہ کتاب کو تیس جلدوں میں تو بعد میں تقسیم کیا گیا، ابتداء میں جو مسودہ تیار ہوا تھا، وہ پندرہ جلدوں ہی میں کیا تھا اور پوری کتاب قید ہی میں لکھوائی گئی ہے، جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ تیسویں جلد میں کتاب الرضاع کے شروع میں یہ عبارت ہے۔

"قال الشیخ الامام الاجل الزاهد شمس الائمة فخر الاسلام ابوبکر محمد بن ابی سهل السرخسی املاء یوم الخمیس الثانی عشر من جمادی الاخره سنة سبع وسبعین واربعمائة." (المبسوط، ج:۳۰۔ص:۲۸۷)

جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کتاب الرضاع کا آغاز ۱۲ جمادی الآخرہ ۴۷۷ھ میں ہوا تھا۔ دوسری طرف "اُصول السرخسی" کے مقدمے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام سرخسی شوال ۴۷۹ھ تک قید میں تھے اور اسی وقت انہوں نے اُصول السرخسی کی تالیف شروع فرمائی (عبارت آگے آرہی ہے)۔

مبسوط کی کتاب الرضاع سے کتاب کے آخر تک کل سولہ صفحات ہیں، اور جمادی الآخرہ ۴۷۷ھ سے شوال ۴۷۸ھ تک تقریباً سوا دو سال کا فاصلہ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ سولہ صفحات میں ہی مکمل ہو گئے ہوں گے اور اس طرح پوری کتاب جس کے کل مطبوعہ صفحات کی تعداد چھ ہزار تین سو تینتیس ہے اسی قید کی حالت میں لکھوائی گئی ہے جس میں دوسری کتابوں سے باقاعدہ مراجعت کا امکان نہیں تھا۔

(کہیں انتہائی ضرورت کے وقت جزوی طور پر کسی کتاب سے رجوع کیا گیا ہو تو بات اور ہے) اور موضوع بھی کوئی عام واقعات کا سیدھا سادہ موضوع نہیں تھا جس میں غور وخوض اور کتابیں دیکھنے کی ضرورت نہ ہو، بلکہ یہ فقہ کے انتہائی دقیق اور مشکل مباحث پر مشتمل کتاب ہے اور اُس کے بعد سے علماء وفقہاء اس کتاب کو صدیوں پڑھتے رہے ہیں، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ اس قید کی حالت میں حافظے کی بنیاد پر

کتاب لکھوانے کی وجہ سے فلاں جگہ غلطی ہوگئی ہے۔اس کے بجائے اس کتاب کو فقہ حنفی کے مستند مآخذ میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس کی مثال کسی اور قانون کی کتاب یا مصنف کی زندگی میں نہیں ملتی۔

صرف یہی نہیں، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری مشہور کتاب شرح السیر الکبیر جو جنگ اور بین الاقوامی تعلقات کے اسلامی قوانین پر مستند ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہ پانچ جلدوں میں چھپی ہوئی موجود ہے، اور شاید اُس وقت اس موضوع پر اتنی مفصل کتاب کوئی اور نہیں تھی۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب بھی انہوں نے قید ہی کی حالت میں لکھوائی ہے۔ کتاب کے موجودہ نسخوں میں اس کتاب کے اندر کوئی عبارت مجھے ایسی نہیں ملی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ کتاب بھی قید میں لکھی گئی ہے، لیکن حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے آخر میں امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جملہ لکھا ہے:

"انتهى املاء العبد الفقير المبتلى بالهجرة الحصير المحبوس من جهة السلطان الخطير باغراء كل زنديق حقير وكان الافتتاح، باوزجند فى اخر ايام المحنة، والتمام عندذهاب الظلام بمرغينان فى جمادى الاولى سنة، ثمانين واربعمائة." (کشف الظنون۔۲:۱۰۱۳)

"اس کتاب کو لکھوانے کا سلسلہ اُس محتاج بندے کی طرف سے مکمل ہوا جو کسی ذلیل زندیق کے کہنے پر خطرناک بادشاہ کی طرف سے جلاوطنی اور قید میں مبتلا تھا اور اس (کتاب) کا آغاز اوزجند میں آزمائش کے آخری دنوں میں ہوا تھا، اور تکمیل جمادی الاولیٰ ۴۸۰ھ میں مرغینان میں اُس وقت ہوئی جب اندھیرا چھٹ چکا تھا۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نسخے میں یہ جملہ موجود تھا جو بعد کے نسخوں میں حذف ہوگیا، لیکن اپنے اسلوب کے لحاظ سے یہ جملہ ان جملوں سے واضح مطابقت رکھتا ہے جو مبسوط کے کئی ابواب سے اوپر نقل کئے گئے ہیں۔

پھر امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور کتاب اُصول فقہ کے موضوع پر ہے جو ''المحرر فی اصول الفقہ'' یا ''اُصول السرخسی'' کے نام سے مشہور ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس کتاب کی تالیف بھی اسی قید میں ہوئی ہے اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ کتاب کے شروع میں یہ عبارت آج بھی موجود ہے۔

''قال الامام الاجل الزاهد شمس الائمة ابوبكر محمد بن ابی سهل السرخسی املاء فی یوم السبت سلخ شوال سنة تسع وسبعین واربعمائة فی زاویة من حصار اوزجند.'' (اُصول السرخسی۔طبع بیروت۔ص۴)

اس عبارت سے واضح ہے کہ یہ کتاب بھی امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اوزجند کے قید خانے میں شوال ۴۷۹ھ میں لکھوانی شروع کی تھی۔ ان تمام باتوں کو ملانے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مبسوط تو پوری کی پوری قید میں لکھوائی گئی اور بظاہر اس کی تکمیل ۴۷۷ھ میں ہوگئی تھی۔ اس کے بعد بھی دو سال سے کچھ زیادہ مدت تک امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ قید میں رہے اور اسی حالت میں دو مزید کتابوں کی تالیف شروع فرمادی۔ ایک شرح السیر الکبیر اور دوسرے اُصول السرخسی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی تالیف ساتھ ساتھ جاری تھی۔ پھر صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ جب اُصول السرخسی کے باب الشروط پر پہنچے تو قید سے رہائی ملی۔ (کشف الظنون، ج:۱،ص:۱۸)

اس طرح ان دونوں کتابوں کا باقی حصہ مرغینان میں جا کر مکمل فرمایا۔

جیسا کہ شرح السیر الکبیر کے آخری جملے سے معلوم ہوتا ہے جو حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے پیچھے گزر چکا ہے۔ اُصول السرخسی میں باب الشروط کے نام سے کوئی باب نہیں ہے، البتہ ایک فصل ''فصل الشرط'' کے نام سے موجود ہے۔

شاید حاجی خلیفہ کی مراد وہی ہو۔ لیکن بعض حضرات نے اس سے مبسوط کی کتاب الشروط سمجھ کر جو یہ کہا ہے کہ وہاں پہنچ کر انہیں آزادی مل گئی تھی، بظاہر وہ بات درست نہیں ہے اس لئے کہ کتاب الرضاع جس کے شروع کی عبارت اوپر نقل کی گئی ہے، وہ

کتاب الشروط کے بہت بعد ہے اور کتاب الرضاع کا آغاز یقیناً قید میں ہوا تھا، جیسا کہ اوپر تحقیق کی گئی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عظمت تو اُس وقت سے دل میں تھی جب سے بچپن میں اپنے والد ماجد قدس سرہ سے مبسوط کی تالیف کا حال سنا تھا لیکن آج میں ان کے اسی شہر میں کھڑا تھا جہاں انہوں نے یہ محیر العقول کارنامہ انجام دیا جسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

آج نہ اُس گڑھے یا کنویں کا کوئی نام ونشان موجود ہے، جہاں انہوں نے سالہا سال انتہائی صبر آزما وقت گزارا، نہ اُس حاکم سے کوئی واقف ہے جس نے تکبر اور رعونت کے عالم میں ایسے مقدس شخص کو اتنی بربریت کے ساتھ قید کیا۔ لیکن سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا نام زندہ وپائندہ ہے، اور ان شاء اللہ قیامت تک اُسے خراجِ تحسین پیش کیا جاتا رہے گا اور لوگ ان کیلئے رحمت کی دعائیں کرتے رہیں گے۔

رحمه الله تعالىٰ وجزاه عن الامة الاسلامية احسن الجزاء.

اوزجند کے شہر میں مجھے صرف چند گھنٹے ملے، لیکن تصورات کی نگاہیں یہاں علم وفضل اور عظمتِ کردار کے وہ پہاڑ دیکھتی رہی جن کی خدمات سے آج پوری علمی دنیا سیراب ہو رہی ہے۔ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر سلام عرض کرنے اور ایصال ثواب کی توفیق ہوئی۔

سلطان ٹیپو کے شہر میں

سلطان ٹیپو کے شہر کا نام سرنگا پٹم ہے۔ یہی نام ہم نے تاریخوں میں پڑھا تھا۔ لیکن یہاں اُس کو سری رنگا پٹنم کہا جاتا ہے، اور بعض جدید تاریخوں میں بھی نام اسی طرح درج ہے۔ ہم یہاں پہنچے تو جمعہ کا وقت قریب تھا۔

دارالامور پہنچ کر نماز کی تیاری کا خیال تھا، اور اگرچہ اس سفر کی شہرت نہ کرنے کی تاکید کر دی گئی تھی، لیکن جب دارالامور پہنچے تو اچھا خاصا ہجوم جمع تھا، اور معلوم ہوا کہ یہ حضرات کسی طرح خبر پا کر شہر میسور سے یہاں پہنچ گئے ہیں۔

وضو کر کے ہم اُس مسجد میں پہنچے جو مسجد اقصیٰ کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں کے امام صاحب نے فرمائش کی کہ جمعہ سے پہلے میں خطاب کروں، اور جمعہ بھی میں ہی پڑھاؤں۔ چنانچہ جمعہ سے پہلے کچھ دیر وہاں خطاب ہوا جس میں میں نے عرض کیا کہ سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی سے ہمیں یہ سبق لینا چاہئے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اخلاص سے انجام دیا جائے، اُسے کبھی ناکام نہیں کہا جا سکتا۔

سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ نے اخلاص کے ساتھ دین کی سربلندی اور سلطنت خداداد کے دفاع کے لیے اپنی جان کی بازی لگائی اور اگر غداروں کی غداری نہ ہوتی تو وہ ہندوستان سے انگریزوں کو مار بھگانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

غداری کے نتیجے میں وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے، لیکن اُن کی زندگی اللہ تعالیٰ کے یہاں کامیاب ہے۔ دوسری طرف جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اُس کے نیک بندوں سے غداری کر کے اُس کے دشمنوں سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں، ان کا برا انجام

بسا اوقات دنیا ہی میں دکھادیا جاتا ہے، اور میر صادق کی غداری کا انجام اُس کی عبرتناک مثال ہے کہ جس سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اُس نے سازشوں کا جال بُنا تھا، وہ تو بعد میں شہادت کے مقام تک پہنچے، میر صادق اُن سے پہلے ہی قتل ہوکر کیفرِ کردار کو اس طرح پہنچے کہ اُن کی لاش بھی اُٹھانے والا کوئی نہ تھا۔ تقریر کے بعد خطبہ اور جمعہ کی نماز بھی اسی مسجد میں پڑھانے کی سعادت ملی۔

نماز کے بعد سلطان حیدر علی اور سلطان ٹیپو رحمہما اللہ تعالیٰ کے مزارات پر حاضری کے وقت جذبات کی عجیب کیفیت تھی۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات میں پیہم ترقی عطا فرمائیں کہ انہوں نے اس آخری دور میں عادل مسلمان سلاطین کا ایک نمونہ دکھایا، اور ٹیپو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مثالی اسلامی حکومت کا نقشہ پیش کیا۔

انہوں نے ایسے وقت اقتدار سنبھالا تھا جب انگریز کی سامراجی طاقت ایک ایک کر کے ہندوستان کے مختلف خطوں پر قبضہ کرتی جارہی تھی، ٹیپو نے اپنے لڑکپن سے انگریزوں اور مرہٹوں کے ساتھ جنگ کی فضا میں سانس لئے تھے، اور اپنے والد کی وفات کے بعد جنگ ہی کی حالت میں سلطنت سنبھالی تھی۔

اس کے باوجود اُس نے میسور کی سلطنت خداداد کو ایک جدید اور ترقی یافتہ ریاست بنانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ ملک میں تعلیم وتربیت کا اعلیٰ نظام نافذ کیا، بہت سی کتابیں لکھوائیں، طرح طرح کی صنعتیں قائم کیں، مضبوط بحری بیڑہ تیار کیا، ٹائپ کا پریس قائم کیا، اردو کا اخبار جاری کیا، آب پاشی کا بہترین نظام بنایا، مجرموں کو سزا دینے کے ایسے طریقے ایجاد کئے جس سے ملک کی ترقی میں مدد ملے۔

ملک میں مطلق العنان بادشاہت کے بجائے اسلامی شورائیت کی بنیاد ڈالی، اور مجلس شوریٰ قائم کی، ملک میں پھیلی ہوئی بے راہ روی اور جاہلانہ رسموں کو مٹایا، اسلامی شریعت کے احکام نافذ کئے، لوگوں میں انگریزوں کی جارحیت کے خلاف جہاد کا جذبہ پیدا کیا، اور اس کے لئے نت نئے ہتھیار بنائے۔

اور مشہور یہ ہے کہ راکٹ بھی اُسی نے ایجاد کئے، پھر انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے بین الاقوامی رابطے بڑھائے۔

اور اس غرض کے لیے سفارتیں بھیجیں، غرض ہر جہت سے اُس نے اس آخری زمانے میں ایک صحیح اسلامی ریاست کا نمونہ دکھادیا۔

چونکہ متعدد معرکوں میں اُس نے انگریز کے دانت کھٹے کئے تھے، اس لئے انگریز چاہتا تھا کہ وہ براہِ راست مقابلوں میں ٹیپو کو زیر نہیں کرسکتا۔

اس لئے آخر کار اُس نے آس پاس کے نوابوں اور اندرونی غداروں کی شکل میں ایسے لوگ تلاش کئے جو پشت سے اُس کے عزائم میں خنجر گھونپ سکیں، یہاں تک کہ اس غداری کے نتیجے میں جب انگریزوں کی فوجیں اُس کے شہر میں داخل ہوگئیں تو کچھ لوگوں نے اُسے مشورہ دیا کہ وہ اگر ہتھیار پھینک دے تو انگریز اُسے باعزت طریقے پر زندہ رہنے کا موقع دیں گے۔ اس پر اُس نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا کہ:

''شیر کی زندگی کا ایک دن گیدڑ کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے۔'' بالآخر اُس نے حق کی خاطر اپنی جان کی وہ قربانی پیش کی جو رہتی دُنیا تک یادگار رہے گی:

مزار ہی کے قریب ایک میوزیم بنایا گیا ہے جس میں سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی یادگاریں محفوظ رکھی گئی ہیں۔

ان میں وہ قبا بھی ہے جو آخری وقت میں سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے زیب تن فرمائی ہوئی تھی، اور اُس پر خون کے دَھبے ابھی تک موجود ہیں:

بنا کردند خوش رسمے بہ خون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

شیخُ الاِسلام ہے لَقبؔ تیرا

سارا عالم کرے ادب تیرا، شیخ الاسلام ہے لقب تیرا
ساری دُنیا میں جگمگاتا ہے، مثل خورشید اسم اب تیرا
کیوں مفسر تجھے بناتا پھر، گر نہ کرتا پسند رب تیرا
تو ہے فخرِ عجم بہر صورت، مانے لوہا نہ کیوں عرب تیرا
سارا عالم کرے ادب تیرا، شیخ الاسلام ہے لقب تیرا

علم فقہ ہو معاشیات کے ساتھ، قابل رشک ہے ادب تیرا
کردیا سُود کا زیاں ظاہر، گویا دشمن ہے جاں بلب تیرا
سارا عالم کرے ادب تیرا، شیخ الاسلام ہے لقب تیرا

لاکھ مہلک ہے قوم کے امراض، باعث زیست ہے مطب تیرا
دل لبھاتی ہے سادگی تیری، رنگ فطرت سے پُر ہے ڈھب تیرا
سارا عالم کرے ادب تیرا، شیخ الاسلام ہے لقب تیرا

یادداشت

a s graphics 9456995566

مکتبہ حرمین دیوبند

MAKTABA HERMAIN DEOBAND
Pin - 247554 Distt. Saharanpur U.P. India
8979354752, 7300692988

3. Vol. Set
Rs. 2400/-